

غریب ہیرے



اشتیاق احمد

— J. C. —



محمود ، فاروق ، فرزانہ اور الپکٹر جمشید سیریز ۱۳۵

غریب ہیرے

جی شتیاق محمد

9-Aug-14

چند شیف



حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ
ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے
والے پر لعنت کی ہے



مجدد حقوق بحق پسبشرز محفوظ ہیں



نام، کردار، مقامات اور واقعات فرمائی ہیں

نام ناول — غریب ہیرے

بار اول — یکم نومبر ۱۹۸۵ء

طابع — اشتیاق احمد

نوشٹوئیں — محمد سعید نامدار

مطبع — زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

سرورق — محمد جاوید چغتائی لاہور

طباعت سرورق — فور اے پرنٹرز لاہور

قیمت — چھ روپے

سالانہ قیمت — اڑھائی سو روپے

✦

اشتیاق پسبلی کیشنز

راجپوت مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

Malik Ji

9-Aug-14

دو باتیں

السلام علیکم

ایک مصنف کے اگر ہزاروں قارئین ہیں اور ان
ہزاروں قارئین کے خواہشات ایک دوسرے سے
مختلف ہیں تو اسے بے چارے مصنف کا کیا حال
ہوتا ہوگا، اس کا اندازہ آپ نہیں لگا سکتے۔ صرف اور
صرف وہ غریب مصنف لگا سکتا ہے۔ اور سونے پر سہاگا
یہ کہ ہر قاری یہ بھی خواہش کرے کہ اس کے
خواہش سے پہلے پورے کے جاتے تو اس
صورت میں تو اس کے حال اور بھی خستہ ہو گئے۔
اس خشک کا اندازہ لگانا بھی آپ کے بس کا روگ نہیں،
زیادہ سے زیادہ آپ یہ خیال کریں گے کہ وہ مصنف
گھڑ چکر بڑھ جاتا ہوگا، لیکر میں کہتا ہوں۔
گھڑ چکر بڑھ جانا تو بہت ہی معمولی سی بات ہے،

وہ تو میں آپ کے خطوط پڑھ کر بھی بڑھ
جاتا ہوں۔ مطلب یہ کہ اسے حال کو الفاظ میں
بیان کیا بھی نہیں جاسکتا۔ مطلب یہ کہ مقبولیت
بھی آدمی کو حیران پریشان کر دیتی ہے۔ اور
بعض اوقات تو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ خیر۔
اللہ کا احسان ہے، ابھی اس نے مجھے کافی جگہوں کا
چھوڑا ہوا ہے۔ اب آپ نے مسکراتا شروع کر دیا ہو
گا۔ کیونکہ میں اجازت لے لوں!

میں

Malik Ji

9-Aug-14

پُر اسراریت شامل

خان رحمان کے دروازے کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے جلدی سے
ظہور کی طرف دیکھا، وہ ان کے سامنے مُرقا بنا کھڑا تھا :
”جاد ظہور۔ دیکھو، دروازے پر کون ہے؟“
”کیسے دیکھوں جناب۔ آپ نے مجھے پورے بیس منٹ کی سزا
دے رکھی ہے۔ اور ابھی صرف ڈیڑھ منٹ گزرا ہے۔“ اس نے کلاک
کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تو کیا ہوا۔ دروازے تک آنے جانے میں جتنا وقت لگے
گا، وہ ہم نوٹ کر لیں گے۔ بیس منٹ پورے ہونے پر ہی
تم اٹھ سکو گے۔“ خان رحمان نے منہ بنایا۔
”گویا آپ ڈیڑھ منٹ جمع کریں گے۔ میری یہ محنت ضائع
نہیں جائے گی۔“ ظہور خوش ہو کر بولا۔

”ہاں بالکل۔ میرے ہاں تا انصافی کا کیا کام؟
بہت بہت شکریہ جناب۔ یہ لیجیے، میں یہ گیا اور یہ گیا۔“

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ :

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
 - آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
 - کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں —
 - آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
 - آپ کے ذمے گھرواؤں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔
- اگر اس باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی
ہو تو ناول الماریہ میں رکھ دیجئے۔ پہلے نماز اور دوسرے
کاموں سے غور ہو لیجئے۔ پھر ناول پڑھیے۔ شکریہ !
مخلص :

اشتیاق احمد

Malik

9-Aug-14

یہ کہ کر اس نے کان چھوڑ دیے ، سیدھا ہوتے ہی دروازے کا رخ کیا ، یہی تھا کہ اس کی بیوی سلمیٰ سے زور دار ٹکرو ہوئی ، وہ آندھی اور طوفان کی طرح کمرے کی طرف چلی آ رہی تھی :

" اوبو ! آندھی ہو کیا ؟ "

" اور آپ کا۔ اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔ " سلمیٰ نے بتنا کر کہا ، کیوں کہ اس کی ناک پر چوٹ آئی تھی۔

" چو۔ فیصلہ خان صاحب سے کرا لیتے ہیں۔ " ظہور اُن کی طرف

مڑا۔

" بعد میں۔ پہلے یہ دیکھو کہ آیا کون ہے۔ بہت صابر آدمی معلوم ہوتا ہے ، غریب نے اب تک دوبارہ گھنٹی نہیں بجائی۔ "

" آپ کو تو نجومی ہونا چاہیے تھا خان صاحب۔ " سلمیٰ خوش ہو گئی۔ ظہور کے آٹھ قدم پھر رک گئے۔ اس کی نظریں سلمیٰ پر جم گئیں :

" کیا مطلب ؟ اس کے مُنہ سے نکلا۔

" یہ علم نجوم کہاں سے ٹپک پڑا۔ " خان رحمان حیران رہ گئے ، اسی وقت بیگم خان رحمان اندر داخل ہوئیں۔ ان کے پیچھے تینوں بچے بھی تھے :

" چلیے۔ ہم تیار ہیں۔ "

" ذرا ٹھہرو بھی۔ باہر کوئی آیا ہے۔ ظہور تم گئے نہیں۔ "

" ان کے جانے کی ضرورت نہیں ، میں دروازے پر سے ہو آئی ہوں ، کیوں کہ میں جانتی تھی۔ یہ ادھر اُلجھے ہوئے ہیں۔ سلمیٰ مسکرائی۔

" اودہ بہت خوب۔ یہ تو میں بعد میں پوچھوں گا کہ باہر کون ہے ، پہلے تو علم نجوم والی بات بتاؤ۔ "

" آپ نے ملاقاتی کے بارے میں کہا ہے نا۔ بہت صابر معلوم ہوتا ہے اور اس کے لیے غریب کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ "

" ہاں ہاں تو پھر۔ " وہ جلدی سے بولے ، لہجے میں حیرت بھی تھی۔

" تو پھر یہ کہ وہ واقعی صابر ہے اور غریب بھی ہے۔ " میں سمجھا نہیں۔ آخر تم کیا کہنا چاہتی ہو ؟ " خان رحمان نے بُرا سا مُنہ بنایا۔

" ملاقاتی کا نام صابر ہے۔ اور اس کے لباس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بہت غریب آدمی ہے۔ اس کے جسم پر پٹے پورا نے پکڑے ہیں۔ "

" اودہ۔ تب وہ ضرور مدد مانگنے آیا ہو گا۔ جاؤ ظہور۔ پوچھو اس سے۔ "

" جی نہیں۔ ان کے جانے کی اب بھی ضرورت نہیں۔ میں معلوم کر چکی ہوں۔ "

" لیکن کیوں سلمیٰ۔ تم دروازے کی طرف کیوں گئیں اور

Malik Ji

9-Aug-14

ملاقاتی کے سامنے کیوں آئیں، جب کہ ہمارے گھر میں پردہ کیا جاتا ہے۔ خان رحمان نے اسے گھورا۔

”آپ کا خیال غلط ہے۔ میں اس کے سامنے نہیں آئی۔ دروازے کی اوٹ میں رہ کر بات کی ہے۔“

”تو پھر تمہیں اس کے لباس کے بارے میں کس طرح پتا چل گیا؟“

”دروازے کی جھری میں سے لباس کی ایک جھلک نظر آ گئی تھی۔ دوسرے یہ کہ اس نے یہ بھی کہا تھا۔ ایک غریب، پیٹے پرانے لباس والا شخص خان رحمان صاحب سے ملاقات کا خواہش مند ہے۔ کیا وہ مجھ سے ملنا پسند کریں گے۔“

”خروج بالکل۔ کیوں نہیں۔ سب انسان اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں۔ دولت کی وجہ سے فرق ہم نے خود پیدا کر لیے ہیں۔ فوراً اسے ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ، میں آ رہا ہوں۔ انہوں نے کہا۔“

”جی بہتر۔“ ظہور نے کہا اور جلدی سے آگے بڑھ گیا۔

”تم نے یہ نہیں پوچھا سہی کہ وہ کیا چاہتا ہے۔“

”وہ بیروں کا ایک ہمارے آپ کے ہاتھ فروخت کرنے کا خواہشمند ہے۔“

”سہی نے بتایا۔“

”کیا مطلب۔“ نقلی بیروں کا ہمارے۔ تم جانتی ہو سہی۔“

نقلی بیروں سے کوئی دلچسپی نہیں۔“

”آپ غلط سمجھے۔ اس کا کہنا ہے کہ ہمارے بالکل اصلی ہے۔“

”ایک طرف تو وہ خود کو غریب بتا رہا ہے اور دوسری طرف اس کے پاس اصلی بیروں کا ہمارے۔ سہی۔ تمہارا دماغ چل گیا ہے یا اس کا؟“

”یہ تو وہی بتا سکے گا جناب۔“ سہی نے مسمی صورت بنائی۔

”کیا بتا سکے گا۔ یہ کہ اس کا دماغ چل گیا ہے یا نہیں۔“

”جی نہیں۔ یہ بتا سکے گا کہ غریب ہوتے ہوئے وہ ایک بیروں کے ہمارے مالک کیسے ہے یا پھر بیروں کے ہمارے مالک ہوتے ہوئے وہ غریب کیسے ہے۔“ سہی نے مسکرا کر کہا۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ ادھر ظہور اندر داخل ہوا، کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ خان رحمان ریسیور اٹھا کر بولے:

”ہیلو۔ خان رحمان بول رہا ہوں۔“

”اور یہ میں انکل فاروق ہوں۔ دوسری طرف سے فاروق کی چمکتی آواز سنائی دی۔“

”انکل فاروق۔ بھئی میں کسی انکل فاروق کو نہیں جانتا۔“

”وہ ہنستے۔“

”انکل تو میں نے آپ کو کہا ہے انکل۔“ فاروق اولا

”اوہو اچھا۔ تب تو ٹھیک ہے۔“

9-Aug-14

”کیا بن رہا ہے انکل۔ حامد، سرور اور ناز کیا کر رہے ہیں۔
وادی سیپ کی تھکن اُتری یا نہیں؟“

”جی اس وقت میں ہیروں کا ایک مار خریدنے جا رہا
ہوں۔“

”ہیروں کے مار کی ایسی کیا ضرورت پڑ گئی انکل۔“ فاروق نے
حیران ہو کر کہا، کیوں کہ اسے معلوم تھا۔ ہیروں کے مار پہلے ہی
ان کے پاس کافی تھے۔

”یہ ضرورت مجھے نہیں۔ ایک غریب آدمی کو پڑ گئی ہے۔ وہ اپنا
ہیروں کا مار فروخت کرنا چاہتا ہے؟“

”غریب آدمی ہیروں کا مار فروخت کرنا چاہتا ہے۔ یہ ایک
ہی رہی۔ وضاحت کر دیں انکل؟“

”ابھی میں وضاحت کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہوں۔
کیوں کہ اس سے بات کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ ابھی تو اسے ڈرانگ
روم میں بٹھایا ہی گیا ہے؟“

”ہوں۔ مجھے تو اس میں کوئی چکر معلوم ہوتا ہے۔ ٹھہریے انکل،
ہم پہنچ رہے ہیں؟“

”شوق سے آ جاؤ۔ یوں تو میں مار خریدنے سے انکار ہی کر
سکتا ہوں، کسی چکر میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟“
”نہیں انکل۔ ضرورت ہے۔“ فاروق بولا۔

”کیا مطلب۔ چکر میں پڑنے کی ضرورت ہے؟“

”ہاں۔ بہت سخت ضرورت ہے۔“

”وہ کیسے؟“ خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

”دیکھیے نا انکل۔ اگر یہ کوئی چکر ہے، وہ شخص آپ کے ساتھ

یا کسی بھی ہیروں کے مار کے خریدار کے ساتھ کوئی چکر چلانا چاہتا
ہے تو بہتر ہے، یہ چکر آپ کے ساتھ ہی چل جائے۔ اس
طرح معاملہ ہمارے ہاتھ میں ہی ہو گا۔“

”ہوں۔ بات تو ٹھیک ہے۔ خیر تم لوگ آ جاؤ، لیکن ذرا

جلدی کرنا، کیوں کہ ہم لوگ بیگم کے ماموں جان کے ہاں جا
رہے تھے، اگر یہ ہیروں والے صاحب نہ آ جاتے تو شاید گھر
سے نکل بھی چکے تھے۔“

”فکر نہ کریں۔ ہم پہنچ رہے ہیں۔“

انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور دروازے کی طرف بڑھے:

”ہم لیٹ ہو جائیں گے۔ ماموں جان پریشان ہوں گے۔“
بیگم خان رحمان بولیں۔

”ہوں ٹھیک ہے۔ خیر تم فکر نہ کرو۔ ہم روانہ ہونے سے
پہلے انہیں فون کر دیں گے کہ ہم ذرا دیر سے روانہ ہو رہے

ہیں۔“

”جیسے آپ کی مرضی۔ ویسے تو ہمارے پاس ہیروں کے ماروں

Malik Ji

9-Aug-14

کی کمی نہیں۔

”شاید ہم کسی غریب کے کام آجائیں۔ اس کی الجھن دور کر سکیں۔“

”ہوں۔ ٹھیک ہے۔“

اور وہ دروازے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ظہور کی طرف متوجہ ہو گئے، لیکن وہ تو پہلے ہی کان پکڑ چکا تھا۔ انھوں نے مسکرا کر کہا:

”شکریہ ظہور۔ تم بہت اچھے ہو۔“

”جناب! اگر میں اچھا ہوں تو پھر آپ کان کس لیے پکڑواتے ہیں؟ ظہور نے معصومانہ انداز میں کہا۔

”مجبوری ہے۔ تم ہنڈیا جلاتا چھوڑ دو، میرے سوٹ جلاتا چھوڑ

دو، میں کان پکڑواتا چھوڑ دوں گا۔“

”م۔ میں جان بوجھ کر ہرگز نہیں جلاتا۔“

”اور میں بھی جان بوجھ کر کان نہیں پکڑواتا۔“

ظہور لاجواب ہو گیا۔ اور وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ

گئے۔ اندر داخل ہوئے تو ایک پریشان حال آدمی پر نظر پڑی۔

اس کے کپڑے واقعی پھٹے پرانے اور بہت سے قسم کے تھے۔

پاؤں میں چل بھی گئی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں زردی نظر آ

رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک میلے سے رومال میں کوئی

پتھر بندھی ہوئی تھی۔

وہ خان رحمان کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور گھبرائی ہوئی آواز

میں بولا:

”السلام علیکم جناب۔“

”وعلیکم السلام۔ آپ کی تعریف۔“

”میرا نام رضا خان ہے۔“ وہ بولا۔

”تشریف رکھیے، میں نے سنا ہے، آپ ہیروں کا کوئی ہار

فروخت کرنا چاہتے ہیں۔“ انھوں نے کہا اور صوفے پر بیٹھ گئے۔

”جی ہاں۔ یہ درست ہے۔“ اس نے بھی بیٹھنے کے بعد کہا۔

”آپ کام کیا کرتے ہیں؟“

”کپڑے کی ایک مل میں مزدور ہوں۔“

”ہیروں کا یہ ہار آپ کے ہاتھ کس طرح لگ گیا؟“

”یہ۔ یہ ہمارا خاندانی ہار ہے۔ میرے پردادا کو ایک منغل

حکمران نے دیا تھا۔ انھوں نے ایک سیاہ سانپ سے حکمران کی

جان بچائی تھی جب کہ وہ جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔ میرے

پردادائے سانپ کو جان سے مار ڈالا، ورنہ وہ حکمران کو ڈس

لیتا۔ وہ حکمران بہت خوش ہوا۔ اس وقت اس کے گلے میں

ہیروں کا ہار تھا، اس نے انعام کے طور پر وہ ہار آثار کر

پردادا کو دے دیا۔ پردادا نے ہار حفاظت سے رکھا اور مرتے

وقت اپنے بیٹے کو دے دیا۔ انھوں نے اپنے بیٹے کو۔ اس طرح یہ ہار مجھ تک پہنچا۔ مجھ سے پہلے والد صاحب تک مالی حالات ٹھیک ٹھاک رہے، لہذا اس ہار کو فروخت کرنے کا کسی کو خیال تک نہ آیا، لیکن جب سے میں اپنے پیروں پر کھڑا ہوا۔ مالی پریشانیوں کا شکار چلا آ رہا ہوں۔ جو کاروبار کیا، اسی میں نقصان اٹھایا۔ اس طرح باپ سے ملنے والی ساری دولت ختم کر بیٹھا۔ آخر نوبت محنت مزدوری تک آ گئی۔ میری ایک بیٹی ہے۔ اب مجھے اس کی شادی کرنی ہے۔ شادی کے لیے جہیز کی ضرورت ہے۔ جہیز کہاں سے لاؤں۔ آخر سوچ سوچ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس ہار کو فروخت کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گیا۔

”اس نتیجے پر تو آپ کو بہت پہلے پہنچ جانا چاہیے تھا۔“
خان رحمان بولے۔

”ہاں شاید آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ محنت مزدوری کرنے سے یہ کہیں بہتر تھا کہ میں اسے فروخت کر کے کوئی اچھا سا کاروبار کر لیتا۔“

”ہوں۔ ہار دکھائیے؟“ خان رحمان بولے۔

اس نے رومال کھول کر ہار نکالا اور ان کی طرف بڑھتا ہوئے بولا:

”اس ہار میں پلوے سو ہیرے ہیں اور دیکھ لیجیے۔ کتنے بڑے ہیرے ہیں۔ میں نہیں جانتا، اس کی کیا قیمت ہوگی۔ بازار والے اس کی کیا قیمت دیتے ہیں۔ میں نے تو بس یہ پلوٹلی اٹھائی اور ادھر آ گیا۔“

”لیکن کیوں۔ تم سیدھے ادھر کیوں آئے؟ وہ بولے۔

”اس لیے کہ میں نے آپ کے بارے میں کافی کچھ سُن رکھا ہے پلوے شہر میں مجھے آپ ہی مناسب آدمی نظر آئے اس ہار کو فروخت کرنے کے لیے۔“ اس نے جواب دیا۔ خان رحمان ہیروں کو دیکھ کر ساکت رہ گئے۔ چند منٹ تک کانپتے ہاتھوں سے اسے دیکھتے رہے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں بے شمار اور بیش قیمت ہیرے دیکھے تھے، لیکن اتنے بڑے ہیرے کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ان کے اندازے کے مطابق یہ کم از کم ایک کروڑ روپے کے ہیرے تھے۔

اسی وقت دروازہ کی گھنٹی بج اٹھی۔ انداز محمود کا تھا۔

”ظہور۔ جا کر دروازہ کھولو۔“ انھوں نے وہیں سے ہانک لگائی،

ایک منٹ بعد ہی تینوں کی آواز گونجی:

”السلام علیکم انکل!“

”وعلیکم السلام۔ آؤ بھئی۔ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔“

یہ لو۔ ہیروں کا ہار دیکھو۔“

تینوں صوفے پر بیٹھ گئے۔ محمود نے ہار لے کر دیکھا۔
 پھر فاروق کو دیا، اس نے دیکھ کر فرزاد کے حوالے کر دیا:
 "ہمیں ہیروں کے بارے میں کوئی سُدھ بدھ نہیں ہے۔ یہ
 دیکھنا تو آپ کا کام ہے کہ ہیرے کیسے ہیں، اصلی ہیں یا نقلی
 اور کتنی قیمت کے ہیں۔ ہم تو صرف یہ اطمینان کرنا چاہتے ہیں
 کہ یہ صاحب درست آدمی ہیں یا نہیں۔"
 "کیا مطلب؟ رضا خان نے چونکہ کہ پوچھا۔
 "آپ کہاں رہتے ہیں؟ محمود نے پوچھا اور جیب سے نوٹ
 بک نکالی۔

"۱۱۳ گرشن روڈ" اس نے فوراً کہا۔

"یہ مکان آپ کا اپنا ہے یا کرائے کا؟"

"اپنا۔ میرے والد نے بنوایا تھا۔ اس نے جواب دیا۔

"ہیروں کا یہ ہار آپ نے کہاں سے لیا؟"

"اس کی تفصیل یہ مجھے سنا چکے ہیں محمود۔ میں تم لوگوں کو
 سنا دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر انھوں نے اس کے الفاظ دہرا دیے۔

"ہوں۔ تب تو اس معاملے میں کوئی شک محسوس نہیں ہوتا،

صرف اتنا کریں کہ ہیروں کا ہار اپنے جوہری سے چیک کرائیں۔"

"اس کی بھی ضرورت نہیں محمود، کیوں کہ تھوڑی بہت پہچان

مجھے بھی ہے۔"

"تھوڑی بہت پہچان کافی نہیں انکل۔ مہربانی فرما کر پوری
 چیکنگ کرائیں۔"

"اچھا! وہ بولے۔

"ہم ابھی آتے ہیں۔ ہمارے آنے تک ہار نہ خریدیے گا۔
 یہ کہہ کر محمود اٹھ کھڑا ہوا۔ فاروق اور فرزاد نے حیرت بھری
 نظروں سے اسے دیکھا، پھر وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔
 "تم کتنی دیر تک لوٹ آؤ گے؟ خان رحمان نے جلدی
 سے پوچھا۔

"جی بس۔ آدھ گھنٹہ تک۔ اس نے کہا۔

عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی ایک بار پھر بجی:

"ظہور۔ لاری دیکھو۔ کون ہے۔"

"انکل ظہور تو مصروف ہیں۔ میں دیکھ لیتا ہوں۔ محمود بولا۔

"نہیں۔ کان چھوڑ کر چلا جائے گا، پھر آکر پکڑ لے گا۔"

"تو پھر ہم چلتے ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ جہاں جانا ہے۔ جلدی سے ہو آؤ۔"

وہ ڈرائنگ روم سے انکل کو صدر دروازے کی طرف

بڑھے۔ انھوں نے دیکھا، اس وقت تک ظہور دروازہ کھول

چکا تھا۔ باہر کھڑے ایک شخص کی انھیں ایک جھلک دکھائی دی،

پھر ظہور درمیان میں آگیا۔

Malik Ji

9-Aug-14

”جی جناب۔ فرمائیے۔“

”مجھے خان رحمان صاحب سے ملنا ہے۔ وہ عنقریب ایک بہت نقصان کا سودا کرنے والے ہیں۔ میں انہیں خبردار کرنے آیا ہوں۔ اس نے جلدی جلدی کہا۔“

”نقصان کا سودا۔ کیا مطلب؟ ظہور نے حیران ہو کر کہا۔“

”بس آپ ان سے یہی کہ دیں۔ میرا نام رضوان شامی ہے۔“

محمود، فاروق اور فرزانہ کے اٹھتے قدم رک گئے۔ ظہور مڑا تو اس کی نظریں ان سے ٹکرائیں۔

”اوہو۔ آپ کہاں چل دیے۔ ابھی ابھی تو آئے ہیں۔“

”تھوڑی دیر کے لیے جا رہے ہیں، ابھی لوٹ آئیں گے۔“ محمود نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے۔ مجھے چوتھی مرتبہ دروازہ کھولنا ہوگا، بیس منٹ کی سزا کے دوران چار مرتبہ دروازہ۔“ اس نے برا سا منہ بنایا۔

”یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ آپ کو درمیان میں آرام مل جاتا ہے۔“ فاروق مسکرایا۔

ظہور منہ بناتا ان کے پاس سے گزر گیا۔ وہ جوں کے توں کھڑے رہ گئے۔

”شاید ہمیں سانپ سونگھ گیا ہے۔“

”ہاں! اس لیے کہ یہ صاحب ایک اہم خبر لے کر آئے ہیں۔ یہ کہ انکل عنقریب بہت بڑے نقصان کا سودا کرنے والے ہیں، آخر اس شخص کو کس طرح پتا چل گیا۔“

”شاید یہ صاحب نجومی ہوں۔“ فرزانہ بولی۔

وہ بچوں کہ اونچی آواز سے بات کر رہے تھے، اس لیے نئے ملاقاتی نے بھی سن لیا، بھٹکا کر بولا:

”میں نجومی نہیں ہوں۔“

”یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ آپ نجومی نہیں ہیں۔ اچھا تو پھر یہ بتائیے کہ اگر آپ نجومی نہیں ہیں تو کیا ہیں۔ آپ کو کس طرح معلوم ہو گیا کہ ہمارے انکل۔“ فاروق کتا جا رہا تھا کہ اس نے جل بھن کر بات کاٹ دی:

”اگر معلوم نہ ہو گیا ہوتا اور اپنی معلومات پر یقین نہ ہوتا تو کیا مجھے باؤلے کتے نے کاٹا ہے کہ یہاں آجاتا۔ میں خان رحمان صاحب کو ہی یہ بات بتا سکتا ہوں کہ کس طرح کیا بات معلوم ہوئی، میں نہیں جانتا، آپ کون ہیں؟“

”ہاں! یہ بات بھی اصول کی ہے۔ اور ہمیں خوشی ہے کہ آپ

با اصول آدمی نظر آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“ فرزانہ بول اٹھی۔

”نظر آنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ یہ کیا بات ہوئی۔ کیا آپ

Malik Ji

9-Aug-14

کا مطلب ہے ، میں با اصول آدمی ہوں نہیں ، صرف نظر آنے کی کوشش کر رہا ہوں ؟ اس نے فرزاد کو ناخوش گوار نظروں سے دیکھا۔

”آپ کو میرے خیال پر غصہ نہیں آنا چاہیے۔ ان حالات میں یہی سوچا جا سکتا ہے۔“ فرزاد مسکرائی۔

”یوں سوچنے کا کیا ہے ، کچھ بھی سوچا جا سکتا ہے۔“ فاروق گنگنایا۔

”نک۔ کیا مطلب ؟“

”بس۔ مطلب کسی بات کا پوچھنے کی کوشش نہ کریں ، ورنہ آپ کا اور ہمارا جھگڑا ہو جائے گا۔“

”کیا مطلب ؟ اس نے پھر چونک کر کہا۔“

”یہیجے۔ آپ تو کیا مطلب کے پیچھے پڑ گئے ؟“

اسی وقت ظہور پیر پٹختا واپس آیا :

”کیا ہوا انکل۔ کیا پھر ڈانٹ پڑ گئی۔ یا سزا میں اضافہ

ہو گیا ؟“

”دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں۔ خان صاحب نے انہیں بھی ڈرائنگ روم میں بلایا ہے۔“

”اور انہیں یہی کرنا بھی چاہیے۔ چلیے جناب۔ ہم بھی اب آپ کی بات سن کر ہی جائیں گے ، کیوں کہ معاملے میں پراسراریت

شامل ہو گئی ہے۔“ محمود بے چارگی کے عالم میں بولا۔

”ملاقاتی کے قدم ظہور کے پیچھے اٹھنے لگے اور وہ تینوں ایک دوسرے پر نظر ڈال کر اس کے پیچھے قدم اٹھانے لگے۔ یوں جیسے کہ رہے ہوں :

”یہ کیا ماجرا ہے بھی ؟“

آخر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ دوسرے ہی لمحے انہوں نے رضا خان کی بوکھلائی ہوئی آواز سنی :

”تت۔ تت۔ تم۔“

Malik Ji

9-Aug-14

منگی شرط

وہ دونوں چند لمے تک ایک دوسرے کو گھورتے رہے ، پھر
رضا خان نے کہا :

”تم یہاں کیسے جمال“

”جمال نہیں - رضوان شامی جناب“ محمود نے فوراً کہا۔

”نہیں نہیں - یہ جمال امین ہے - میرا دوست - بہت گہرا دوست“

”جی ہاں ! یہ ٹھیک ہے - رضا خان غلط نہیں کہہ رہا ، میرا

اصل نام جمال امین ہے ، رضوان شامی نام تو میں نے صرف اس

لیے بتایا تھا کہ یہ کہیں میرا اصل نام سن کر گھبرائے جائے - میں

دراصل اس وقت آپ لوگوں کو اس کی ہیرا پھیری سے بچانے آیا

ہوں اور اس کی بھلائی کے لیے بھی آیا ہوں ، کیوں کہ اب یہ

جیل جانے سے بچ جائے گا۔“

”یہ - یہ تم کیا کہہ رہے ہو جمال“ رضا خان نے چیخ کر کہا۔

”کیوں ! اس میں غلط کیا ہے - کیا تم یہاں میروں کا یہ

ہار فروخت کرنے نہیں آئے اور کیا یہ بالکل نقلی ہار نہیں ہے۔“

”نہیں - یہ نقلی ہار نہیں ہے - سو فیصد اصلی ہے۔“

”جھوٹ - بالکل جھوٹ - تم نے مجھے ہمیشہ اس ہار کے بارے

میں یہی بتایا کہ یہ ہار بالکل نقلی ہے - چند سو روپے سے زیادہ اس

کی قیمت نہیں ہے۔“

”ہاں ! یہ ٹھیک ہے - میں نے تمہیں ہار کے بارے میں

جب بھی بتایا - یہی بتایا ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہار بالکل اصلی

ہے۔“

”کیا مطلب ؟“ خان رحمان اچھل پڑے - اب وہ رضا خان کو

تیز نظروں سے گھور رہے تھے۔

”میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں - آپ کو شک میں مبتلا نہیں

ہو جانا چاہیے ، اگر میں یہ بات مشہور نہ کرتا تو اس ہار کو میرے

پاس کون رہنے دیتا ، بلکہ میرے تو پورے خاندان والے - یہی

بات مشہور کرتے چلے آئے - میرے پردادانے کبھی کسی سے

یہ نہیں کہا کہ یہ ہار اصلی ہیروں کا ہے - یہ بات تو انھوں نے

صرف اپنے بیٹے کو بتائی - اور دوسروں کو ہمیشہ یہ بتایا کہ یہ

بالکل نقلی ہار ہے اور سو پچاس روپے کا ہے - اسی طرح گھر کا

ہر سربراہ یہی بات کہتا رہا ، لیکن آج جب کہ میں اسے

بیچنے پر مجبور ہو گیا ، مجھے سچ بولنا پڑا ، کیوں کہ جھوٹ کی رو

سے تو یہ چند سو روپے کا ہو گا۔

”بھئی واہ۔ جھوٹ سے کتنا نقصان ہوتا ہے۔“ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

”لگ۔ کیا۔ کیا تم سچ کہہ رہے ہو رضا خان؟“

”ہاں بالکل۔ خان رحمان صاحب۔ آپ نہ میری بات پر یقین کریں اور نہ میرے دوست کی۔ صرف اپنے جوہری کو بتائیں۔“

”آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ میرے جوہری بہت ماہر

ہیں، ہمارے ہاتھ میں ایسے ہی اصل بات بتا دیں گے، اور

اس کے بعد مزید اطمینان کریں گے، مزید اطمینان کے بعد وہ جو بتائیں گے، اسے دنیا کا کوئی جوہری نہیں جھٹلا سکتا۔“

”یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ مہربانی فرما کر انہیں ضرور بلائیے۔“ رضا خان نے فوراً کہا۔

”بالکل ٹھیک! میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ جمال امین نے کہا۔

”محمود! کیا تم نے کہیں جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا ہے؟“

”جی نہیں۔ ہم جائیں گے، لیکن آپ کے جوہری کا فیصلہ

سننے کے بعد، اس وقت ہم جمال امین صاحب کی یہ بات سن

کر رک گئے تھے کہ آپ بہت نقصان کا سودا کرنے والے ہیں۔“

”ہوں! ٹھیک ہے۔ میں ابھی انہیں فون کرتا ہوں۔“

جوہری کو فون کرنے کے بعد وہ انتظار کرنے لگے:

”جمال! مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔ تم میرے بہت

پرانے دوست ہو۔“

”تو پھر۔ کیا میں نے دوستی کے خلاف کوئی قدم اٹھایا ہے،

میں تو تمہیں غلط کام سے روکنے آیا ہوں اور میرے خیال میں

اصل دوستی یہ ہے۔“

”ہاں واقعی۔ اصل دوستی تو یہی ہے کہ دوست اپنے دوست

کو غلط کام سے روک دے۔“ محمود نے سر ہلایا۔

”لیکن۔ میں کوئی غلط کام نہیں کر رہا۔“

”ابھی تھوڑی دیر بعد معلوم ہو جائے گا۔ دراصل اس میں

قصور آپ کے دوست کا بھی نہیں۔“

”ہوں ٹھیک ہے۔ مجھے غصہ نہیں کرنا چاہیے۔“ رضا خان نے

شرمندہ ہو کر کہا۔

آخر دروازے کی گھنٹی ایک بار پھر بجی۔ خان رحمان بلند

آواز میں بولے:

”ظہور۔ دیکھو۔ بھاگڑا صاحب ہوں گے۔“

”بھاگڑا صاحب۔“ فاروق حیران ہو کر بولا۔

”ہاں! ان کا پورا نام خالد جاوید بھاگڑا ہے۔“ وہ مسکرائے۔

”لیکن انکل۔ یہ بھاگڑا کیا چیز ہے؟“

Malik Ji

9-Aug-14

”بھی ہوگی ذات وات۔ میں ان باتوں میں نہیں پڑتا۔
مسلمان ہونا ضروری ہے۔“

اسی وقت قدموں کی آواز گونجی اور ایک لمبے تڑنگے آدمی
اندر داخل ہوتے ہوئے بولے :

”ہیلو خان صاحب ! کوئی سنجیدہ معاملہ ہے شاید ؟
”جی ہاں ! اس ہار کو ذرا دیکھیے۔“ یہ کہہ کر خان رحمان نے
ہار میز پر سے اٹھایا اور ان کے آگے کر دیا۔ بھاکڑا صاحب کی
آنکھوں میں حیرت کے آثار نمودار ہوئے اور پھر انھوں نے ہار ان
کے ہاتھ سے لے لیا۔
اچانک ہار ان کے ہاتھ سے گر گیا۔ ان کی آنکھیں حیرت
سے پھیل گئیں۔



”یہ۔ یہ ہار آپ کو کہاں سے ملا ؟
”ان صاحب کا ہے۔ فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ میں یہ جانتا
چاہتا ہوں کہ یہ اصلی ہے یا نقلی۔“

”مم۔ میں پہلے اسے اچھی طرح چیک کروں گا، اس کے
بعد فیصلہ دوں گا۔ اور چیک کرنے کے لیے مجھے اپنے دفتر جانا

ہو گا۔“

”تو پھر جائیے۔ اسے چیک کیجیے۔“

”نہیں جناب۔ میں اس کی اجازت کس طرح دے سکتا ہوں۔
یہ میری زندگی کا سرمایہ ہے۔“

”کیا مطلب، کیا آپ کا خیال ہے، بھاکڑا صاحب اس ہار کو
لے کر بھاگ جائیں گے۔“

”مجھے یہ فکر ہونا لازمی بات ہے۔“

”میں ذمے دار ہوں۔ اگر یہ ہار لے کر واپس نہ آئے تو آپ
کو ہار کی قیمت دے دی جائے گی۔“

”اس صورت میں اس کی قیمت پہلے ہی طے کر لینی چاہیے،
ورنہ آپ کدے دیں گے۔ ہار تو دس ہزار روپے کا تھا۔“

”ہاں ! بات ٹھیک ہے۔ بھاکڑا صاحب، اگر یہ ہار بالکل اصلی
ہیروں کا ہے تو آپ کے خیال میں اس کی قیمت کیا ہوگی ؟“

”کم از کم ایک کروڑ روپے۔ وہ بولے۔“

”اوہ۔ اوہ۔ لیکن یہ ہار بالکل نقلی ہے۔ جمال امین چلا
آٹھا۔“

”آپ خاموش رہیے۔ یہ فیصلہ ہم کریں گے کہ ہار اصلی ہے
یا نقلی۔ ہار کو نقلی بتانے کی وجہ رضا خان پہلے ہی بتا چکے ہیں۔“

خان رحمان نے برا سامنے بنایا۔

"ہوں۔ مجھے کیا، میں تو آپ کے خاندے کے لیے آیا تھا، اگر آپ کو میری آمد ناگوار گزری ہے تو میں چلا جاتا ہوں۔" اس نے جھٹکے ہوئے لہجے میں کہا اور آٹھ کھڑا ہوا۔
"نہیں۔ یہ بات بھی نہیں۔ ہمارے بارے میں فیصلے تک آپ کو بھی رکنہ پڑے گا۔" خان رحمان نے کہا۔

"تو پھر کیا میں ہمارے جاؤں؟"
"جی ہاں۔ لے جانا ہی ہوگا۔ کیا آپ اپنی گاڑی میں آئے ہیں؟"

"جی ہاں۔ یہ بات کیوں پوچھی آپ نے؟"
"جی۔ وہ۔ میرا مطلب ہے۔ آپ کو بھی ذرا احتیاط سے کام

لینا چاہیے۔"
"فکر نہ کریں۔ میں نے اس قسم کے کاموں کے لیے اپنی کار میں ایک خفیہ خانہ بنا رکھا ہے۔ اس خانے کو کوئی نہیں کھول سکتا۔ جب تک کہ میں ترکیب نہ بتا دوں۔"
"لیکن جناب۔ آپ سے ترکیب معلوم کر لینا کیا مشکل ہے؟"
محمود نے برا سامنے بنایا۔

"کیا مطلب۔ یعنی یہ کام آسان ہے۔"
"ہاں۔ فرض کیجیے۔ آپ کو کچھ ڈاکو اغوا کر لیتے ہیں اور آپ سے خفیہ خانہ کھولنے کا طریقہ زبردستی معلوم کرنے کی

کوشش کرتے ہیں۔ تو کیا آپ اس وقت بھی زبان بند رکھیں گے، چاہے وہ کچھ بھی کر لیں۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ آج کل زبان کھولنے کے ایسے ایسے طریقے ایجاد کر لیے گئے ہیں کہ کیا بتاؤں۔" بھاکڑا صاحب ساکت رہ گئے۔ آخر بولے:

"آج تک میں نے اس پہلو پر نہیں سوچا تھا۔ واقعی ایسا ہو سکتا ہے۔"

"تب پھر آپ ان تینوں کو ساتھ لے جائیے۔ ان کی موجودگی میں آپ کو اغوا کرنا آسان کام نہیں ہوگا۔" خان رحمان بولے۔
"کمال ہے۔ آپ لوگ تو بالکل ایسے انداز میں باتیں کر رہے ہیں جیسے پنج پچ انہیں اغوا کیا جانے والا ہو۔ جمال امین نے کہا۔"

"یہ صرف امکانات کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"آئیے جناب چلیں۔ ہم آپ کے ساتھ جائیں گے، ساتھ آئیں گے۔" محمود نے کہا۔
وہ آٹھ کھڑے ہوئے۔

"نہ جانے کیا بات ہے۔ میں الجھن محسوس کر رہی ہوں۔" کیا ایسا نہیں ہو سکتا، آپ اس جھیلے میں پڑیں ہی نہ؟ فرزانہ نے دروازے کی طرف قدم اٹھانے سے پہلے کہا۔

”کیا مطلب؟“

”یہ ہمارے رضا خان کے حوالے کر دیں۔ اور اسے خریدنے کا

خیال دل سے نکال دیں۔“

”کیا کر رہی ہو فرزانہ۔ اگر یہ ہمارے اصلی ہے تو پھر بے مثال

ہے۔ کیوں بھاڑا صاحب؟“

”جی ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔“ وہ بولے۔

”خیر۔ آپ کی مرضی۔“

تینوں بھاڑا صاحب کے ساتھ باہر نکلے۔ ایک سُرخ رنگ

کی بڑی سی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک باوردی ڈرائیور موجود

تھا۔ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ بھاڑا صاحب نے نہ

جانے کیا کیا۔ کار کی دیوار میں ایک چھوٹا سا خانہ کھل گیا۔

انہوں نے ہمارے اس میں رکھ دیا اور خانہ ہاتھ سے بند کر دیا۔

”دفتر ہی چلنا ہے بھئی۔“

ڈرائیور نے سر ہلایا۔ کار تیز رفتاری سے آگے بڑھی۔

دس منٹ تک کار تیز رفتاری سے چلتی رہی۔ اور پھر بھاڑا صاحب

نے چونک کر کہا:

”ارے ارے۔ یہ تم نے کار کس طرف موڑ دی؟“

محمود، فاروق اور فرزانہ چونک اُٹھے۔ ان کی آنکھیں حیرت

اور خوف سے پھیل گئیں، کیوں کہ ڈرائیور نے ان کا جملہ سنا

ہی نہیں تھا، وہ آندھی اور طوفان کی رفتار سے کار اُڑائے لیے جا

رہا تھا۔

”ارے ارے۔ کیا تم بہرے ہو گئے تقدیر علی؟“

”میں تقدیر علی نہیں ہوں۔ تقدیر علی مرچکا ہے۔“

”کیا کہا۔ مرچکا ہے۔“

”ہاں! اس کی لاش ڈکی میں مڑی تڑی پڑی ہے۔ آپ لوگ

آرام سے بیٹھے رہیں، ورنہ آپ کا بھی قیمہ بنا دیا جائے گا۔“

”مجھے قیمہ پسند نہیں۔ یہ خیال رہے۔“ فاروق نے مزہ بنایا۔

”اگر تم نے کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو اس زور سے

بریک لگاؤں گا کہ نانی اماں یاد آجائیں گی۔“

”وہ تو آپ کے نام یلتے ہی یاد آگئیں۔ کتنی اچھی تھیں!

تم لوگ۔ مجھے حیرت ہے، ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہو۔“

اس نے حیران ہو کر کہا۔

”تو کیا آپ چاہتے ہیں ہم خوف زدہ ہو جائیں۔“

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

”ویسے خوف زدہ ہونے کا کام بھاڑا صاحب کر تو

رہے ہیں۔“

”نکرنہ کرو، تم بھی آئیں بائیں شائیں بھول جاؤ گے۔“

”آپ کا پروگرام کیا ہے؟ محمود نے فاروق کی طرف تیز

Malik Ji

9-Aug-14

نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”جلد معلوم ہو جائے گا۔“

”اُن خدا! یہ کیا ہو رہا ہے۔ تم لوگ شور کیوں نہیں مچاتے۔“
بھاکڑا صاحب نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

”آپ کیوں شور نہیں مچاتے۔“ فاروق جل کر بولا۔

”میرے۔ میرے علق سے تو بات بھی نہیں بھل رہی۔“

چلاؤں گا کیسے۔ انھوں نے کہا۔

”اور ہمیں چلانے کی عادت نہیں۔ ان حالات میں چلانے سے کام تو ضرور خراب ہو سکتا ہے۔ سنو کچھ نہیں سکتا۔“

”تمت۔ تمہارے نام خان رحمان نے محمود، فاروق اور فرزاد بتائے تھے تا۔“ بھاکڑا صاحب نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

”جی ہاں۔ ہمارے نام ہیں بھی یہی۔“

”اور انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ تم لوگوں کے ہوتے ہوئے

مجھے آغا نہیں کیا جا سکتا۔“

”ہاں شاید انھوں نے یہ بھی کہا تھا۔“

”لیکن تم لوگوں کے ہوتے ہوئے۔“ مجھے آغا کیا جا رہا

ہے۔“

”ہائیں۔ کیا واقعی۔ یہ تو بہت غلط بات ہے۔ مسٹر تم

سنو ہو۔ ہمارے درمیان کیا بات چیت ہوئی ہے۔ مہربانی فرما

کہ اس سلسلے کو بند کرو اور گاڑی ان کے دفتر کی طرف سڑ
دو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں، تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ فاروق نے
جلدی جلدی کہا۔

”نہیں فاروق۔ تمہیں یہ وعدہ نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں ان
حضرت کو قانون کے حوالے کرنا ہی ہو گا۔“ محمود نے کہا۔

”اور کیا۔ یوں ہی اوٹ پٹانگ باتیں کیے جا رہے ہو۔ خاموش
رہو۔“ فرزاد بھٹا اٹھی۔

”یہ۔ یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔“ بھاکڑا نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

”اب ہمیں کیا معلوم تھا۔ آپ کو سچ پچ آغا کرنے کا پروگرام بنا
لیا جائے گا۔“ فرزاد نے بھی مایوسانہ لہجے میں کہا۔

”ہوں! میں نے بڑی غلطی کی۔ پورے ایک کروڑ روپے کا
ہار لے کر چلا آیا۔“ بھاکڑا صاحب بولے۔

”اب تو غلطی ہو گئی جناب۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ ہمیں مل
جل کر اس غلطی کا خیا زہ جگتا ہے، جگتیں گے نا ہمارے ساتھ۔“
فاروق مسکرایا۔

”آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔“ بھاکڑا صاحب
نے جھلا کر کہا۔

”ہاں! ہو سکتا ہے۔ ایک آپ کا ہی کیا ذکر، میری باتیں

تو نہ جانے کتنوں کی سمجھ میں نہیں آتیں۔“ فاروق بولا۔

Malik Ji

9-Aug-14

”آپ کا نام کیا ہے جناب۔ آپ چاہتے کیا ہیں؟ محمود نے ڈرائیور سے کہا۔

”میرا نام۔ بھلا میں تم لوگوں کو اپنا نام کیوں بتانے لگا، باقی رہا چاہنے کا سوال، تو میں وہ ہمارا چاہتا ہوں۔ خفیہ خانہ کھول کر ہمارا نکال دو، میں یہیں کار سے اتر جاؤں گا۔ دوسری صورت میں مجھے تم لوگوں کو ایک جگہ لے جانا پڑے گا۔ وہاں میرے کچھ ساتھی میرا انتظار کر رہے ہیں۔ ہم سب مل کر خفیہ خانے کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کریں گے، اس جگہ کچھ آلات بھی موجود ہوں گے، یہ آلات زبان کھلوانے کے کام آتے ہیں۔“

”اوہ۔ نہیں۔“ بھاکڑا صاحب چلائے۔

”لیکن یہ دوسری صورت میرے لیے نقصان دہ ہے، کیوں کہ اس طرح ہیروں کے اس ہار میں ان کا بھی جھٹکا ہو گا۔ اگر تم لوگ کار میں ہی ہار میرے حوالے کر دو گے تو پھر ہمارا کام کم میں اور صرف میں ہوں گا۔“

”ہوں، کیوں بھاکڑا صاحب۔ ہار یہاں ان کے حوالے

کرنا ہے یا اس جگہ جا کر۔“

”م۔ میں۔ میں کیا کروں۔ کیا کہوں؟ بھاکڑا صاحب ہکلائے۔ ”جو جی میں آئے کہیں اور کریں، آپ اس معاملے میں

پیوری طرح آزاد ہیں۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

”پیوری طرح آزاد۔“ بھاکڑا صاحب اسے گھور کر رہ گئے۔

”جی ہاں۔ بالکل۔“ فاروق بولا۔

”مجھے حیرت ہے۔ بہت زیادہ حیرت ہے۔“ فرزانہ بڑبڑاتی۔

”ہونے کو تو تمہیں بہت زیادہ سے بھی کہیں زیادہ حیرت ہو

سکتی ہے۔“ فاروق نے کہا۔

”خدا کے لیے آپ چپ رہیں۔ بیٹی۔ تمہیں کس بات پر حیرت

ہے؟ بھاکڑا صاحب نے پوچھا۔

”اس بات پر کہ ان لوگوں کو آپ کی کار کے خانے کے

بارے میں کس طرح پتا چل گیا۔ ہیروں کے ہار کے بارے میں

کس طرح معلوم ہو گیا۔ رضا خان نے اس ہیروں کے ہار کو

ہمیشہ نقلی ہار بتایا۔ تاکہ کوئی اسے اڑا نہ لے۔ وہ فروخت کرنے

کی نیت سے خان رحمان صاحب کے پاس آیا تو ان کا دوست اس

کے پیچھے چلا آیا۔ اور خان رحمان صاحب کے سامنے اعلان کیا کہ

ہار نقلی ہے۔ آپ کو بلایا گیا۔ آپ نے ہار کو دفتر میں پیکیج

کرنے کی بات کی اور اس سلسلے میں خفیہ خانے کا ذکر بھی کیا۔

سوال یہ ہے کہ ان صاحب کو ایک ایک بات کا علم کیوں کر

ہے۔ کیا یہ نجومی ہیں؟ فرزانہ نے مگر زور لہجے میں کہا۔

کار میں چند سیکنڈ کے لیے سناٹا عاری ہو گیا۔ شاید وہ

سوچ رہے تھے۔ فرزانہ کی باتوں میں بہت وزن ہے۔ وہ کیا جواب دیں۔ آخر فاروق نے منہ کھولا:

”فرزانہ۔ تمہاری ان باتوں کے جواب تو صرف ڈرائیور صاحب ہی دے سکتے ہیں۔“

”ہاں بالکل۔ میں ان باتوں کے جواب دے سکتا ہوں۔“ ڈرائیور نے فوراً کہا۔

”تو پھر دیں نا جواب۔“

”ایک شرط پر۔ ہر میرے حوالے کر دیں۔“

”اوہ، کس قدر مہنگی شرط بتائی۔ کیا کوئی اور شرط نہیں ہو سکتی۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”نہیں۔ اگر سیدھی طرح ہر میرے حوالے نہ کیا گیا تو میں تم لوگوں کو کوئی بات نہیں بتاؤں گا۔“

”ہر اتنا ستا نہیں ہے جناب۔“ محمود نے تمللا کر جواب دیا۔

”تو کیا ہوا۔ میں کب کہتا ہوں کہ وہ اتنا ستا ہے۔ ارے

اوہ۔ ہائیں۔ شاید میرا دماغ چل گیا ہے۔“ ڈرائیور نے چونک کر کہا۔

”خدا کا شکر ہے۔ کچھ تو ہوا۔“ فاروق خوش ہو گیا۔

”ٹھیک ہے۔ آخر میں اپنے ساتھیوں کو جھٹکے کیوں دوں۔“

یہ ٹھیک ہے کہ ہر قسم کی معلومات حاصل کرنے میں انہوں نے

بہت کام کیا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس ہار کو چار حصوں میں تقسیم کر دوں۔ ٹھیک ہے۔ میں نے سوچ لیا ہے۔

”کیا سوچ لیا ہے۔“ محمود بے چین ہو کر بولا۔

”بس۔ جو سوچا ہے۔ ابھی تم لوگوں کے سامنے آجاتا ہے۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی کار نے تیزی سے ایک موڑ کاٹا اور رفتار پھلے سے زیادہ ہو گئی:

”میں نے راستہ بدل دیا ہے۔ اب ہم اس خاص جگہ نہیں جا رہے۔“

”پہلے یہ بھی اچھا ہے۔ اب عام جگہ چلے جائیں گے۔“ فاروق نے کہا۔

”فاروق۔ کیا بے تکلی باتیں کیے جا رہے ہو۔ کیا یہ وقت ان باتوں کا ہے۔“ فرزانہ نے جل کر کہا۔

”چلو تم بتا دو۔ یہ وقت کن باتوں کا ہے۔“

”آنکل خان رحمان بہت بڑی الجھن میں مبتلا ہونے والے ہیں۔“

”اوہ ہاں۔ واقعی۔ یہ تو ٹھیک ہے۔“

”ارے۔ یہ تو ہم شہر سے باہر نکل آئے۔“ محمود نے پریشان

ہو کر کہا۔

”ہاں۔ یہیں میں تم سے دو دو باتیں کروں گا۔“

اور پھر کار سڑک سے نیچے اتار دی گئی۔ عین اسی وقت

Malik Ji

9-Aug-14

انہوں نے اپنے پیچھے ایک گاڑی کی آواز سنی۔ فوراً ہی وہ زوں کر کے ان کے پاس سے گزر گئی۔ وہ ایک کار تھی، لیکن انہیں اس کی طرف توجہ دینے کا ہوش کہاں تھا۔

”کاش! یہ کار والا رُک جاتا اور ہماری مدد کرنے کی کوشش کرتا۔“ بھاکڑا صاحب نے سرد آہ بھری۔

”لیکن جناب۔ اس بے چارے کو کیا معلوم کہ ہم پر کیا گزر رہی ہے۔“

”ہاں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔“

کار گئے درختوں کے درمیان رُک گئی۔ انجن بند ہو گیا۔ ساتھ ہی ڈرائیور کے ہاتھ میں پستول نظر آیا:

”تم لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ مٹر بھاکڑا اگر تم نے آدھ منٹ کے اندر اندر خفیہ خانے کے بارے میں نہ بتایا تو میں تم پر فائر کر دوں گا۔ اور ساتھ میں ان تینوں کو بھی ڈھیر کروں گا۔“

”اور اس کے بعد کیا کار کو چاٹو گے، ایک کروڑ کا ہار کیسے حاصل کرو گے؟“ فرزانہ نے جل جھن کر کہا۔

”بعد میں میں خفیہ خانہ اطمینان سے تلاش کرتا رہوں گا۔“ اس نے ہنس کر کہا۔

”بہت خوب۔ تو یہ تھا تمہارا پروگرام، لیکن یاد رکھو۔“

”تم خفیہ خانہ کبھی بھی تلاش نہیں کر سکو گے، کیوں بھاکڑا صاحب؟“

”م۔ میں۔ میں۔“ بھاکڑا صاحب ہٹلا کر رہ گئے۔

”پندرہ سیکنڈ گزر گئے ہیں۔ صرف پندرہ سیکنڈ باقی ہیں۔ اس نے اعلان کیا۔“

”اب۔ اب ہم کیا کریں؟“ بھاکڑا صاحب نے بے چارگی کے عالم میں ان کی طرف دیکھا۔

”بیروں کے ہار کی کوئی اہمیت نہیں۔ انسانی جان سے زیادہ کوئی چیز قیمتی نہیں۔ خفیہ خانے کا پتا بتا دیں۔“

”یہ۔ یہ آپ لوگ کہہ رہے ہیں؟“

”ہاں۔ ہم ہی کہہ رہے ہیں، ہمارے فرشتے نہیں؟“ فاروق بولا۔

”صرف پانچ سیکنڈ۔ ڈرائیور غرایا۔“

”ٹھہرو۔ دائیں طرف لگا نیلا مین دباؤ، پھر پیلا۔ اور اس کے بعد بائیں طرف والا سُرخ مین۔“

ڈرائیور نے یہی کیا۔ پستول ان کی طرف بدستور اٹھا رہا۔

ہلکا سا کھٹکا ہوا اور کار کی دیوار میں ایک دراز سی باہر نکل آئی،

دراز میں وہی بیروں کا ہار جگ جگ جگ کر رہا تھا۔ ہار کو

دیکھ کر ڈرائیور نے ایک تھمک لگایا اور باہر نکل آیا:

”تم لوگ بھی باہر نکل آؤ۔“

”اب کیا کرنا ہے؟“

”تم سے پیچھا چھڑانا ہے۔“ اس نے ہنس کر کہا۔

”کیا مطلب۔ کیا تم۔ تم ہمیں جان سے بھاگڑا صاحب بھلائے۔“

”ارے نہیں۔ میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ تم لوگ جنگل کی

طرف کار سے سو قدم دُور چلے جاؤ۔ میں کار میں بیٹھ کر چلا

جاؤں گا۔ تم کسی سے لفٹ لے کر شہر آ جانا۔ پیدل چل کر

بھی آ سکو گے، زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔“

”آئیے جناب۔ بھاگڑا صاحب۔ چلیں۔“ محمود نے کہا۔

”تت۔ تم۔ تم۔ تم تو بہت نالائق ثابت ہوئے۔“ بھاگڑا صاحب

نے زہریلے لہجے میں کہا۔

”خبردار۔ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا۔ پستول نیچے گرا دو۔“

ورنہ پھلنی کر دوں گا۔“

ایک آواز جنگل میں گونجی۔ بھاگڑا صاحب، ڈرائیور اور وہ بُری

طرح اُچھلے۔

نئے حملہ آور

ڈرائیور نے آواز کی سمت ایک نظر ڈالی، لیکن کوئی نظر نہ

آیا، آخر اس نے بلند آواز میں کہا:

”کون ہو تم سامنے آ کر بات کرو۔“

”میں سامنے بھی آؤں گا، تم فکر نہ کرو، بس پستول گرا

دو اور ہاتھ بلند کر دو۔“

”میں ایسا کیوں کروں۔ ہو سکتا ہے، تمہارے پاس پستول

نام کی کوئی چیز ہی نہ ہو۔“

”ہوں۔ یہ بات ہے۔ تو پھر یہ لو۔“ ان الفاظ کے ساتھ ہی

فائر کی آواز گونجی اور گولی ڈرائیور کے سر پر سے گزر گئی، وہ کانپ

اٹھا۔ گبراہٹ میں پستول ہاتھ سے گرا دیا۔

”اے! اب ٹھیک ہے۔ اب وہ ہمارے بھی پستول کے پاس

گرا دو۔“

ڈرائیور نے پھر بوکھلا کر آواز کی سمت میں دیکھا۔ بھاگڑا

Malik Ji

9-Aug-14

صاحب پر بھی ایک نظر ڈالی۔ اس کے چہرے پر عجیب قسم کے آثار تھے :

"تم سب میرے نشانے پر ہو۔ میں ایک منٹ سے بھی کم وقت میں تمہیں موت کی نیند سلا سکتا ہوں۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ ہمارے پینک دو۔"

ڈرائیور کے چہرے پر زلزلے کے آثار نظر آئے اور پھر اس نے ہار گرا دیا۔

"بہت خوب ! یہ ہوئی نا بات۔ اب اس جگہ سے جنگل کی طرف دور ہٹتے چلے جاؤ۔ منہ دوسری طرف کر لو۔ خبردار جو پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا نہیں اور گولی چلی نہیں۔ شاباش۔ جلدی کرو۔"

انہوں نے اپنے رخ پھیر لیے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی یہی کیا۔ اب ان کے قدم سڑک کے مخالفت سمت میں اٹھ رہے تھے۔

"بڑے چلو بہادرو۔ بڑے چلو۔" پیچھے سے مذاق اڑاتی آواز آئی۔ وہ تھلا کر رہ گئے، لیکن حملہ آور نظروں سے اوجھل تھا، اور اس کے پاس بالکل اصلی پستول تھا، اس لیے حکم کی تعمیل کیے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

آخر وہ قریباً سو قدم کے فاصلے پر پہنچ گئے۔

"آخر ہم اور کہاں تک چلتے رہیں گے۔" محمود نے بھٹا کر کہا۔
حملہ آور کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا :

"سڑ۔ کہیں آپ سو تو نہیں گئے۔" فاروق نے ہانک لگائی۔
"نہیں۔ میرا خیال ہے، وہ ہمارے اور پستول لے کر جا چکا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"کیوں بھائی۔ کیا یہ بات ٹھیک ہے کہ تم ہمارے اور پستول لے کر جا چکے ہو۔ کم از کم ایک چیز تو رہنے دی ہوتی۔"
"عجیب احمق ہو۔ اگر وہ جا چکا ہے تو جواب کس طرح دے سکتا ہے۔" محمود نے اسے گھورا۔

حملہ آور کی طرف سے اب بھی کوئی جواب نہ ملا :
"وہ واقعی جا چکا ہے۔" محمود نے پھر کہا اور سڑک کی طرف گھوم گیا، لیکن کچھ بھی نہ ہوا، اب تو وہ سب گھومے۔ ہکا بکا صاحب اور ڈرائیور نے بے تحاشا اس جگہ کی طرف دوڑ لگا دی جہاں پستول اور ہار گرائے گئے تھے۔

"وہاں اب کیا بچا ہو گا؟" فاروق نے منہ بنایا۔
"شاید وہ پستول نہ لے گیا ہو۔" فرزانہ نے کہا اور بے تحاشا

دوڑ پڑی۔ فوراً ہی وہ ہکا بکا صاحب اور ڈرائیور سے آگے نکل گئی، پھر ایک جھٹکے سے رُک گئی اور ان کی طرف مڑتے ہوئے بولی :

Malik Ji

9-Aug-14

”نہیں۔ وہ پستول بھی لے گیا ہے۔“

”اُن۔ یہ کیا ہوا؟“ بھاکڑا صاحب نے ڈوبتی آواز میں کہا،

ڈرائیور پر تو گویا سکے کا عالم طاری تھا۔

”وہی ہوا جو خدا کو منظور تھا۔ اب ہمیں شہر کا رخ کرنا

چاہیے۔ اس واردات کی رپورٹ بھی تو درج کرانا ہوگی۔“

محمود نے کہا۔

”ہاں ٹھیک ہے۔ جلدی کرو۔“

”لیکن۔ ہم مسٹر ڈرائیور کا کیا کریں؟“ فرزانہ نے الجھن کے

عالم میں کہا۔

”ہاں بھئی آپ بتائیں۔ آپ کا کیا کیا جائے۔ جو آپ کہیں

گئے، وہی کریں گے۔ یہ کہہ کر فاروق ڈرائیور کی طرف مڑا۔

اور چونک اٹھا:

”ارے۔ آپ کہاں گئے۔“

اسی وقت کار سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ وہ بے تحاشا

مڑک کی طرف دوڑے، لیکن اس وقت تک کار بہت دور جا چکی

تھی اور اس کا رخ بھی شہر کی طرف تھا:

”بوصی۔ رہ گئے ہم۔“ فاروق نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

”اب بھاکڑا صاحب کی کار مڑک کے کسی کنرے چلی گئی

اور اس کی ڈکی میں ان کے ڈرائیور کی لاش ہوگی۔“ محمود بولا۔

”میری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی۔“ بھاکڑا صاحب نے جھلاتی

ہوئی آواز میں کہا۔

”یہ بھی اچھی بات ہے کہ آپ کی سمجھ میں صرف ایک بات نہیں

آئی۔ باقی تو آگئیں۔ فاروق فوراً بولا۔

”بھئی پہلے معلوم تو کر لو۔ وہ کون سی بات ہے جو ان کی سمجھ

میں نہیں آئی۔“ فرزانہ نے منہ بنایا۔

”یہ کہ خان رحمان صاحب نے تم لوگوں کو آخر میرے ساتھ

کس لیے بیجا تھا۔ انھوں نے تو کہا تھا کہ تمھاری موجودگی میں

مجھے اغوا کیا ہی نہیں جا سکتا، لیکن تم لوگ تو بالکل نکتے ثابت

ہوئے ہو۔“

”انھوں نے یہ کہا تھا کہ ہماری موجودگی میں آپ کو اغوا نہیں

کیا جا سکتا۔ جب کہ آپ ہماری موجودگی سے پہلے ہی اغوا کر لیے

گئے تھے۔“

”کیا مطلب۔ یہ تم نے کیا کہا۔“ وہ تڑخ کر بولا۔

”یہ کہ ہماری موجودگی سے پہلے ہی آپ کو اغوا کر لیا

گیا تھا۔ آپ کے ڈرائیور کو پہلے ہی ختم کر دیا گیا تھا اور

اس کی جگہ نقلی ڈرائیور نے لے لی تھی۔ کار میں بیٹھنے سے پہلے

اپنے ڈرائیور کا جائزہ لینا آپ کا کام تھا، ہمارا نہیں۔ ہمیں تو

معلوم نہیں تھا کہ ڈرائیور صاحب بدل چکے ہیں۔ گویا پروگرام پر

عمل پہلے سے شروع ہو گیا تھا۔ اور پھر پچ بات تو یہ ہے کہ ہمیں ہیروں و ہیروئن کے کیسل پسند نہیں ہیں۔ یہ میرے آخر میں کس مرض کی دوا۔ کس کام آتے ہیں۔ کیونکہ ان کی خاطر لوگوں کا خون بہا دیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک میرے فضول چیز ہیں۔ اس لیے بھی ہم نے دخل اندازی نہیں کی۔ ہاں جب نقلی ڈرائیور نے ہمارے حاصل کر لیا تھا۔ اور اس نے ہمیں جنگل کی طرف بڑھنے کے لیے کہا تھا، اس وقت ہم نے دخل اندازی کا پروگرام بنایا تھا، کیوں کہ ہمارا خیال تھا۔ وہ ہم چاروں کو اب ہلاک کرنے والا ہے، لیکن اس وقت ہم کوئی کام اس لیے نہ دکھا سکے کہ ایک نئے حملہ آور وہاں تشریف لے آئے تھے۔

”اور اب۔ اب کیا ہوا۔ نقلی ڈرائیور کے پاس اب تو پستول بھی نہیں رہا تھا۔ اب تم نے اسے کیوں قتل ہو جانے دیا۔ آخر اس سے معلومات حاصل کی جاسکتی تھیں؟ بھاگڑا صاحب نے جل بھن کر کہا۔

”ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ یہاں ہم سے چوک ضرور ہوئی ہے، دراصل ہم یہ جاننے کی فکر میں تھے کہ یہ چکر کیا ہے۔ یہ چکر دراصل ہمارے سمجھ میں نہیں آیا۔ ہمیں الجھن میں ڈالنے والی بات تو یہ ہے کہ ان لوگوں کو یہ کس طرح معلوم ہو گیا

کہ خان رحمان صاحب کے گھر میں کسی ڈار کا سودا ہو رہا ہے۔ دوسرے آپ کی کار کے خفیہ خانے کے بارے میں کس طرح پتہ چل گیا، تیسرے اس نقلی ڈرائیور کو خان رحمان صاحب کے گھر کے اندر ہونے والی گفتگو کس طرح معلوم ہو گئی تھی۔ ان الجھنوں نے ہمیں کچھ اس طرح الجھا لیا کہ ہم ڈرائیور کی طرف توجہ نہ دے سکے۔

”بہر حال۔ میرے نزدیک تم بالکل بے کار آدمی ثابت ہوئے ہو۔“ وہ بولے۔

”خیر جناب ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ ہم بالکل بے کار ہیں، اب چلیے۔ پہلے خان رحمان صاحب کے پاس چلتے ہیں۔“

”ہاں! وہاں تو جانا ہی ہو گا۔“ وہ بھنا کر بولے۔ کچھ دور تک وہ پیدل چلتے رہے، پھر ایک بس آگئی، وہ اس میں بیٹھ کر شہر پہنچے اور ٹیکسی میں خان رحمان کے گھر تک آئے۔ ظہور نے دروازہ کھولا، وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا:

”اللہ کا شکر ہے۔ سزا پوری ہو گئی۔ اب مجھے یہاں سے لوٹ کر کان نہیں پکڑنا ہوں گے۔“

”کیا وہ لوگ اندر بیٹھے ہیں؟“

”کون لوگ؟ اس نے پوچھا۔“

”وہی۔ ہار والا اور اس کا دوست۔“

”جی۔ جی ہاں۔ بالکل۔“

تیز تیز قدم اٹھاتے وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے ،
یہاں حالات جوں کے توں تھے :

”اگئے آپ لوگ۔ کیسے کیا رہا؟“

”بس۔ یہ نہ پوچھیے اُنکل کیا رہا؟“ فرزانہ بولی۔

”کیا مطلب۔ کیوں نہ پوچھوں؟“

”اس لیے نہ پوچھیں کہ یہ لوگ بالکل نکتے ثابت ہوئے ہیں۔“

”نکتے ثابت ہوئے ہیں۔ کیا مطلب۔ یہ اور نکتے۔ نہیں جناب،

یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔“

”انہی کی زبانی تفصیل سن لیں۔“ بھاکڑا صاحب نے پاؤں

زمین پر پیٹنا۔

”سناؤ بھئی۔ تفصیل سناؤ۔“ خان رحمان نے فکر مندانہ لہجے

میں کہا۔

محمود نے پوری کہانی سنا دی۔

”یہ تم کیا کر رہے ہو محمود۔ جانتے ہو، اس کا کیا مطلب

ہے۔ مجھے رضا خان کو ایک کروڑ روپے دینا ہوں گے۔“

”لیکن اُنکل۔ ابھی یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ ہار اصلی تھا

یا نقلی۔“ فرزانہ نے فوراً کہا۔

”اگر وہ نقلی تھا، تب بھی اصلی بن گیا۔ ہار کا مالک کب
اسے نقلی تسلیم کرے گا۔“

”نہیں جناب۔ وہ نقلی تھا ہی نہیں۔“ رضا خان نے کہا۔

”ہاں بھئی۔ تم تو خیر یہی کہو گے۔“

”آپ کا کیا خیال ہے، کیا مجھے اپنے اصلی ہار کو نقلی کہنا

چاہیے۔“

”نہیں۔ آپ ذرا ٹھہریں۔“ یہ کہ کر خان رحمان ان کی طرف

مڑے :

”تم لوگ کیا کہتے ہو؟“

”اس معاملے میں چند الجھنیں ہیں، ان الجھنوں کی وجہ

سے ہم نے کوئی حصہ نہیں لیا، ورنہ ہم ڈرائیور سے برٹ سکتے

تھے اور نئے حملہ آور کو بھی ہار نہ لے جانے دیتے، لیکن ان

الجھنوں نے ہمیں کچھ کرنے نہیں دیا۔ کیوں کہ ایسے حالات میں

ہم خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینے کے عادی ہیں۔ اور

حالات کا رخ دیکھ کر کوئی قدم اٹھایا کرتے ہیں۔“

”ہوں خیر۔ یہ تو ہو چکا۔ اب کیا کرنا ہے۔“

”اب مگر رضا خان سے مہلت لے لیں، ہم تین دن کے

انداز اندر ان کا ہار برآمد کر لیں گے، اس وقت بھاکڑا صاحب

سے چکنگگ کرا لیجیے گا۔ اور اگر وہ اصلی ثابت ہوا تو پھر

بے شک خرید لیجیے گا :

"کیوں رضا خان صاحب۔ آپ کیا کہتے ہیں؟"

"ٹھیک ہے۔ آپ مجھے ایک تحریر لکھ دیں، تاکہ تین بعد آپ انکار نہ کریں۔ اس نے کہا۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں؟"

یہ کہہ کر انھوں نے تحریر لکھ دی۔ رضا خان اور اس کا دست جمال امین اٹھ کھڑے ہوئے :

"میرے لیے کیا حکم ہے؟ بھاکڑا صاحب نے کہا۔"

"آپ اپنے علاقے کے پولیس اسٹیشن جا کر رپورٹ درج کرا دیں، کیوں کہ آپ کی کار کا بھی مسئلہ ہے اور اس کی ڈکی سے ملنے والی لاش کا بھی۔" خان رحمان بولے۔

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔" انھوں نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جوں ہی کار ملے۔ آپ ہمیں فون کر دیجیے گا، ہم کار کی ڈکی کا جائزہ لیں گے۔"

"اچھا۔ چھا۔" بھاکڑا صاحب فکر مند انداز میں بولے۔ ان کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

"اب آپ اس قدر بھی فکر مند نہ ہوں۔ اس میں آپ کا تو کوئی قصور نہیں۔" خان رحمان ہمدردانہ لہجے میں بولے۔

"کار کے خفیہ خانے سے آپ کے ملازم بھی تو واقف ہوں"

گئے۔ اچانک محمود نے کہا۔ بھاکڑا صاحب نے اس کی طرف حیرت بھری نظروں سے دیکھا اور بولے :

"ہاں۔ تو پھر۔ اس سے کیا۔"

"یہ کارروائی آپ کے کسی ملازم کی بھی ہو سکتی ہے۔"

"میرے ملازمین کو صرف اتنا معلوم ہے کہ میری کار میں کوئی خفیہ خانہ ہے۔"

"اوہ ہاں۔ کیا آپ کے دفتر میں دوہرا فون ہے؟"

"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔"

"تب پھر آپ کے کسی ملازم نے انکل خان رحمان سے ہونے والی گفتگو سن لی ہو گی۔ اور اس نے آنا فانا یہ پروگرام بنا ڈالا۔"

"میں اپنے ملازمین میں سے کسی پر شک نہیں کر سکتا۔ میرے خیال میں وہ سبھی ایمان دار ہیں۔"

"ہوں! خیر۔ یہ دیکھنا ہمارا کام ہے۔"

بھاکڑا صاحب بو جھل قدموں سے چلے گئے۔

"انکل۔ آبا جان نے فون تو نہیں کیا تھا؟ محمود نے پوچھا۔"

"ہاں کیا تھا۔ میں نے انہیں تفصیل بتا دی تھی۔ انھوں نے"

کہا تھا۔ جوں ہی ہم واپس آئیں، فون کریں۔"

"اوہ اچھا۔" محمود نے کہا اور گھر کے نمبر ڈائل کیے۔ دوسری

طرف سے فوراً ہی انپکڑ جھید کی آواز سنائی دی :

”ہار کا کیا رہا۔ اصلی ثابت ہوا یا نقلی؟“

”اس کے اصلی یا نقلی ثابت ہونے کی نوبت ہی کب آئی ہے آبا جان۔ یہ کہہ کر اس نے تفصیل سنا دی۔

”ہاں۔ سب سے پہلے تو رضا خان کو چیک کرو، اس نے جو پتا بتایا ہے، وہ اس پتے پر رہتا بھی ہے یا نہیں۔“

”جی ہمت۔ اس کے بعد۔“

”بس۔ اس کے بعد گھر چلے آنا۔“

”لیکن آبا جان۔ ہم تین دن کے اندر اندر ہار برآمد کرنے کا وعدہ کر چکے ہیں۔“

”کوئی بات نہیں۔ وعدہ ان شاء اللہ پورا ہو جائے گا۔ ہم ہار کی تلاش ابھی سے شروع کر دیتے ہیں۔“

”یہ کام ہمارے خیال میں جاکڑا صاحب کے کسی ملازم کا ہے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ کئی ملازم شامل ہوں، لہذا رضا خان کے گھر کے بعد ہم ادھر جاتے کا ارادہ رکھتے تھے۔“

”چلو ٹھیک ہے۔ یہ بھی کر لو۔“

یہ کہہ کر انھوں نے ریسپور رکھ دیا۔

”رضا خان نے اپنے گھر کا پتا کیا بتایا تھا بھلا؟ اس نے بھی ریسپور رکھتے ہوئے کہا۔“

”۱۱۳ کرشن روڈ۔“ فرزانہ بولی۔

”۱۱۳ کرشن روڈ تلاش کرنے میں انہیں کوئی دقت نہ ہوئی۔“

ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ محمود نے دستک دی۔

”اس وقت کون آگیا۔ انھوں نے رضا خان کی آواز سنی، پھر قدموں کی آواز ابھری اور دروازہ کھل گیا۔“

”اوہو۔ یہ آپ لوگ ہیں۔ آئیے۔ تشریف لائیے۔“

”کم از کم ایک بات درست نکلی۔“ فاروق نے اطمینان کا سانس لیا۔

”اور وہ کون سی؟“ رضا خان نے حیران ہو کر کہا۔

”یہ کہ آپ نے اپنا پتا غلط نہیں لکھوایا تھا۔“

”اور میں پتا غلط کیوں لکھواتا؟“ اس نے منہ بنا کر کہا۔

”اگر ہار نقلی ہوتا تو پھر آپ ضرور نقلی پتا لکھواتے؟“

”خدا کا شکر ہے کہ آپ ہار کو اصلی سمجھ رہے ہیں۔“ اس نے

خوش ہو کر کہا۔

”ہوں۔ آپ کا اپنے دوست جمال امین کے بارے میں کیا خیال

ہے؟“

”بہت اچھا دوست ہے۔ بہت ایمان دار۔ میں ہار فروخت

کرنے کے بارے میں اسے بتا بیٹھا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہ دیا

تھا کہ ہار کو اصلی ظاہر کر کے فروخت کروں گا! چنانچہ اسے یہ

بات پسند نہیں آئی اور وہ میرے پیچھے خان صاحب کے گھر پہنچ گیا۔
 ”گویا وہ آپ کو ایمان دار نہیں سمجھتا؟“

”آج سے پہلے تک اس نے کبھی مجھے بے ایمان خیال نہیں کیا۔
 یہ پہلا موقع تھا۔ اور وہ بھی غلط فہمی کی بنا پر۔ دراصل میں نے
 کسی کو بھی ہار کے بارے میں نہیں بتا رکھا تھا کہ ہار اصلی ہے، لہذا
 اس کا غلط فہمی میں مبتلا ہونا قدرتی بات تھی۔“

”اتنے اچھے دوست آج کل مشکل سے ملتے ہیں۔ آپ خوش قسمت
 ہیں۔ وہ کہاں رہتے ہیں؟“

”اسی گلی میں۔ مکان نمبر ۱۱۶ ہے۔“
 ”ہم ذرا ان سے بھی ملیں گے۔ اچھا شکریہ۔“ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔
 عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ اور رضا خان

نے چونک کر کہا:

”وہ۔ وہ آگئے۔“

ہار اب کہاں ہے

”انہوں نے رضا خان کے چہرے پر خون کے آثار دیکھے تو حیران
 ہوئے بغیر نہ رہ سکے:

”کک۔ کون۔ کون آگئے؟ فاروق نے اسی کے انداز میں کہا۔
 ”ٹھہریے۔“ اس نے کہا اور باہر چلا گیا۔ واپس آیا تو اس
 کے ساتھ ایک بلبے قد کا آدمی تھا۔

”ان سے ملیے۔ مرشد حمید کوٹلی صاحب۔ اور کوٹلی صاحب۔ یہ محمود،
 فاروق اور فرزاد ہیں۔“ رضا خان نے تعارف کرایا۔

”ہوں ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ آپ یہ بتائیے۔ بندوبست
 ہو گیا یا نہیں۔ آپ نے آج اپنا فیصلہ سنا دینے کا وعدہ کیا تھا،
 ہم اب اور انتظار نہیں کر سکتے۔“ حمید کوٹلی نے پُر غرور انداز
 میں کہا۔

”یہ میری خوش قسمتی ہے کہ اس وقت یہ حضرات یہاں موجود
 ہیں اور یہ میری بد قسمتی ہے کہ میں ایک حادثے کا شکار ہو چکا

ہوں اور اب آپ کو جواب تین دن بعد دے سکوں گا۔
 "تین دن بعد۔ اس قسم کے وعدے تو آپ پہلے بھی کرتے رہے ہیں۔"

"میرے وعدوں کو جھوٹا خیال نہ کریں۔ آخر میں نے اپنی ایک بہت قیمتی چیز آج فروخت کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، خریدار بھی موجود تھے۔ میں وہ چیز ان کے پاس لے بھی گیا تھا، لیکن ایک چکر چل گیا۔ آپ کل کے اخبارات میں پوری تفصیل پڑھ ہی لیں گے۔ مطلب یہ کہ میرے پاس ہیروں کا ایک ہار ہے، وہ کچھ دھوکے بازوں نے ہتھیا لیا ہے۔ ان حضرات نے تین دن کے اندر ہار برآمد کرنے کا وعدہ کیا ہے۔"

"ان حضرات نے کیا مطلب۔ کیا ان کا تعلق پولیس سے ہے؟"

"ارے۔ آپ نے شاید غور نہیں کیا۔ میں نے آپ کو ان کے نام بتائے تھے۔ محمود، فاروق اور فرزاں۔ یہ انپکٹر جمشید صاحب کے بچے ہیں۔"

"اوہ۔ میں سمجھا۔ کیوں جناب۔ کیا یہ سچ ہے؟"

"جی ہاں۔ یہ اپنا ہیروں کا ہار خان رحمان صاحب کے ہاں فروخت کرنے کے لیے گئے تھے۔ انھوں نے ہار کی چیکنگ کے لیے شہر کے مشہور جوہری خالد جاوید بھاکڑا صاحب کو بلا لیا۔"

وہ ہار چیک کرنے کے لیے اپنے دفتر لے گئے، لیکن ان کے ڈرائیور کو ہلاک کر دیا گیا۔ ڈرائیور کی جگہ ایک دھوکے باز نے لے لی۔ اس طرح وہ ہار ہاتھ سے نکل گیا۔"

"اُف خدا۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ اول تو یہی بات ناقابل یقین ہے کہ مرثا رضا خان کے پاس کوئی ہیروں کا ہار تھا۔ دوسری بات یہ کہ ہار اڑا لیا گیا۔ اور تیسری ناقابل یقین بات یہ کہ یہ لوگ تین دن کے اندر ہار برآمد کر دیں گے۔ بے شک ان لوگوں کی بہت شہرت ہے، لیکن میرے لیے تو بڑی الجھن پیدا ہو گئی ہے۔ تین دن اور انتظار کروں۔ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میرے بیٹے کے لیے ایک سے ایک رشتہ موجود ہے اور لڑکیوں والے بے تحاشا جہیز دینے کے لیے تیار ہیں۔"

"کوٹلی صاحب۔ خدا کے لیے صرف تین دن اور۔"

"اچھا خیر۔ اب میں تین دن بعد آؤں گا۔"

"بہت بہت مہربانی۔ رضا خان نے خوش ہو کر کہا۔"

حمید کوٹلی اٹھا اور السلام علیکم کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔ رضا خان اس کے پیچھے لپکا۔ ایک منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی۔

"اُف خدا۔ یہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا۔"

"آپ فکر نہ کریں جناب۔ آپ کا ہار مل جائے گا۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے۔"

Malik Ji

9-Aug-14

”اگر ہار نہ ملا۔ تب بھی خان صاحب آپ کو اس کی قیمت ادا کریں گے، کیوں کہ ہار انھوں نے بھاگڑا صاحب کے حوالے کیا تھا۔“

”ہوں۔ اچھا خیر۔“ اس نے کہا۔

”رضا صاحب۔ کیا ہمیں چائے نہیں پلوایئے گا۔“ فاروق

بولاً۔

محمود اور فرزاد نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا، لیکن فاروق نے ان کی نظروں کی کوئی پروا نہ کی اور بدستور رضا خان کی طرف دیکھتا رہا:

”پیچ۔ چائے۔ ہاں ضرور کیوں نہیں۔ میں دیکھتا ہوں۔ دراصل ہار کی پریشانی میں گھریلو سامان بھی آج نہیں لاسکا۔“

”اپنی بیٹی سے پوچھ لیں، اگر چائے کا سامان ہے، تب تو ٹھیک ہے۔ ورنہ نہیں۔“

”ہاں ہاں، کیوں نہیں۔“ وہ بوللا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

گھر کے اندرونی حصے کی طرف اس کے قدموں کی آواز سننے رہنے کے بعد محمود بوللا:

”یہ کیا گھٹیا حرکت تھی؟“

”کبھی بکھار گھٹیا حرکت بھی ہو جانی چاہیے۔“

”لیکن یہ ہمارا چائے پینے کا وقت بھی تو نہیں ہے۔“

”ہاں نہیں ہے۔ میں بھی جانتا ہوں۔“ فاروق مسکرایا۔

اسی وقت پھر قدموں کی آواز سنائی دی۔ رضا خان اندر داخل ہوا:

”مجھے افسوس ہے، اس وقت گھر میں کوئی چیز نہیں ہے۔“

”اوہ کوئی بات نہیں جناب۔ آؤ بھئی چلیں۔“ محمود نے جلدی

سے کہا۔

تینوں نے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملائے اور باہر نکل آئے۔

جوں ہی رضا خان نے اپنے گھر کا دروازہ بند کیا۔ فرزاد بول

اٹھی:

”اس سے زیادہ گھٹیا حرکت تم نے شاید ہی کبھی کی ہوگی۔“

”چلو اچھا ہی ہے۔ دیکھا ڈھونڈ لیا۔“ فاروق نے کہا۔

”اوہو۔ فرزاد۔ میں سمجھ گیا۔“ فاروق نے یہ حرکت کس

لیے کی۔

”اوہ۔ تو یہ بات تھی۔“ فاروق مجھے افسوس ہے۔“

”خدا کا شکر ہے کہ تمہیں افسوس ہے۔ میں تو حیران تھا کہ

آخر تمہیں افسوس کیوں نہیں ہوتا۔“

”خیر خیر۔ اب کیا پروگرام ہے؟“ فرزاد نے جلدی سے

کہا۔

”پہلے تو ہمیں بھاگڑا صاحب کو فون کرنا چاہیے کہ ان کی

کار ملی ہے یا نہیں۔ تاکہ اس کی ڈکی کے بارے میں معلوم ہو۔ محمود بولا۔

”ہوں ٹھیک ہے“

محمود نے پہلے خان رحمان کو فون کیا :

”سناؤ بھئی۔ کیا رہا؟“

”تفتیش جاری ہے انکل۔ آپ فکر نہ کریں۔ صرف ہکاڑا صاحب

کا فون نمبر بتا دیں اور ان کے دفتر کا پتا بھی“

”ان کا فون نمبر ۱۱۹۱۶ ہے اور میپل روڈ پر ہے۔ ۱۰۲ نمبر

ہے عمارت کا“

”بہت بہت شکریہ انکل“ محمود نے کہا اور سلسلہ کاٹ کر

ہکاڑا صاحب کے نمبر ڈائل کیے۔ دو منٹ کی کوشش کے بعد

نمبر مل سکا :

”ہکاڑا صاحب۔ محمود بول رہا ہوں۔ آپ نے پہچان لیا نا،

شکریہ۔ آپ کی کار کا کیا رہا۔ ملی یا نہیں“

”جی ہاں۔ مل گئی ہے۔ سلطانی روڈ پر کھڑی پائی گئی

ہے۔ ابھی تک وہیں ہے۔ پولیس نگرانی کر رہی ہے۔ ڈکی

سے ڈرائیور کی لاش نہیں ملی۔ اندر خون کے دھبے بھی نہیں۔

پولیس کا خیال ہے اندر کوئی لاش رکھی ہی نہیں گئی تھی“

”اس کا مطلب ہے۔ ڈرائیور نے جھوٹ بولا تھا تب

تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ آپ کا ڈرائیور ہی رہا ہو اور اس نے علیہ کسی قدر تبدیل کر لیا ہو“

”مم۔ میں ان حالات میں کیا کر سکتا ہوں۔ میری تو عقل دنگ ہے“

”خیر۔ آپ فکر نہ کریں۔ اپنے ڈرائیور کا پتا لکھوا دیں“

”وہ ریاض آباد کے مکان نمبر ۳۰۴ میں رہتا ہے۔ اس

کا نام قدیر علی ہے“

”بہت بہت شکریہ۔ ہم ذرا کار کو ایک نظر دیکھ آئیں“

محمود نے یہ کہہ کر ریسور رکھ دیا۔

وہ سلطانی روڈ پر پہنچے۔ دو پولیس والے کار کی نگرانی

کر رہے تھے۔ تینوں کار کی طرف بڑھے تو ان میں سے ایک

نے کہا :

”کیا بات ہے؟“

”بات صرف اتنی سی ہے کہ ہم اس کار کو اچھی طرح دیکھا

چاہتے ہیں“

”نہیں۔ یہ کار پولیس کی نگرانی میں ہے“

”اسی لیے تو دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم محمود، فاروق اور فرزانہ

ہیں، مہربانی فرما کر ڈکی کھول کر دکھا دیں“

”اوہو۔ اچھا“

ایک نے ڈکی کھول دی۔ تینوں نے ڈکی کا بغور معائنہ کیا اور پھر شکریہ ادا کر کے وہاں سے ریاض آباد کی طرف روانہ ہو گئے :

واقعی۔ ڈکی میں کوئی لاش نہیں رکھی گئی۔ گویا ڈرائیور قدیر علی نے ہی ہار اڑانے کی کوشش کی تھی۔ اور اس کا مطلب ہے کہ ہمیں اب اس تک پہنچنا ہے :

”اس تک پہنچ کر کیا کریں گے۔ ہار تو اب اس کے ہاتھ سے بھی بکھل گیا ہے۔“

”ہوں، لیکن ہو سکتا ہے۔ اس سے مل کر کوئی سراغ مل جائے۔“

”ہوں۔ ٹھیک ہے۔“

انھوں نے ریاض آباد پہنچ کر ۲۰۴ نمبر کی تلاش شروع کر دی۔ دس منٹ کی کوشش کے بعد گھر مل گیا، دشتک کے جواب میں ایک عورت نے دروازہ کھولا :

”قدیر علی صاحب یہیں رہتے ہیں؟“

”ہاں، لیکن وہ اس وقت گھر میں نہیں ہے۔“ عورت نے

پریشان ہو کر کہا۔

”لیکن آپ پریشان کیوں ہیں؟“

”مم۔ میں۔ نہیں تو۔ میں بھلا کیوں پریشان ہونے لگی۔“

”تو وہ گھر میں نہیں ہیں۔ کب آئیں گے؟“

”پتا نہیں۔ ان کے آنے کے کوئی اوقات مقرر نہیں ہیں۔“

”ارے۔ وہ آپ کے پیچھے کیا ہے؟“ فرزانہ نے اچانک کہا۔

عورت بوکھلا کر مڑی۔ اس کے ساتھ ہی فرزانہ گھر کے اندر داخل ہو گئی۔

”فرزانہ یہ کیا۔ کسی کے گھر کے اندر داخل ہونا بہت بری بات ہے۔ ٹھہرو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں : یہ کد کر محمود اس کی طرف جھپٹا۔ فرزانہ بے تحاشا دوڑ پڑی۔

عورت کا منہ حیرت سے کھل گیا :

”یہ۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔“

”میں کچھ نہیں کر سکتا محترمہ کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیا آپ

قدیر علی کی بیوی ہیں؟“

”ہاں، لیکن کسی کے گھر میں داخل ہونے کا یہ کون سا طریقہ

ہے؟ عورت نے احتجاج کیا۔

”کیا کموں۔ میں ان کی ان حرکتوں سے تنگ آ گیا ہوں۔“

ٹھہریے۔ میں انہیں پکڑ کر دروازے پر لاتا ہوں۔ فاروق نے

کہا اور اندر کی طرف جھپٹا۔

محمود اور فرزانہ ایک دروازے پر کھڑے نظر آئے :

”تو تم بھی آ گئے۔“

Malik Ji

9-Aug-14

"ہاں۔ مڑا کیا دیکھتا، آنا ہی پڑا؟ اس نے مسکاکر کہا،
پھر بولا:

"کیا رپورٹ ہے؟"

"اس کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہے۔"

"بہت خوب۔ اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے کہ
کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہے؟ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔
اسی وقت قدموں کی آواز ابھری اور پھر عورت کی آواز

ابھری:

"یہ کیا۔ آخر آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟"

"ہمیں افسوس ہے۔ بغیر اجازت اندر گھس آئے۔ اس کمرے
میں کون ہے؟"

"کلک۔ کوئی بھی نہیں۔"

"تو پھر دروازہ اندر سے بند کیوں ہے؟"

"آپ کو اس سے کیا، مہربانی فرما کر باہر نکل جائیے۔
ورنہ پولیس کو بلوا دوں گی۔"

"پولیس کو آپ نہ بلوائیں، ہم بلوائیں گے۔ کیا اندر قدیر
علی صاحب ہیں؟"

"نہیں۔ اس کمرے میں کوئی نہیں ہے۔"

"اور یہ اندر سے بند بھی ہے۔ کمال ہے۔"

قدیر علی کی بیوی نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا۔ جواب کیا
دے سکتی تھی۔ آخر محمود نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے
کہا:

"قدیر علی صاحب۔ دروازہ کھول دیں۔ اب اندر چھپ کر
بیٹھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

اندر قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر دروازہ کھل گیا۔
درمیانے قد کا ایک آدمی ان کے سامنے کھڑا انہیں گھور رہا تھا:
"کون ہو تم۔"

"ارے۔ آپ نے ہمیں پہچانا نہیں۔ کمال ہے۔ بھاکڑا صاحب
کی کار میں ہم نے آپ کے ساتھ سفر کیا تھا۔ جب آپ نے
ہمارے خفیہ خانے میں بسے نکالا تھا۔"

"یہ۔ یہ جھوٹ ہے۔"

"وہ تو آپ کے چہرے سے نظر آ رہا ہے۔ فاروق، انکل
اکرام کو فون کرو۔ وہ پولیس کو لے کر یہاں آجائیں۔"

"اچھا۔" فاروق نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا باہر نکلا۔
اکرام کو فون کرنے کے بعد بھاکڑا صاحب کے نمبر ڈائل کیے:

"ہیلو بھاکڑا صاحب۔ مُردہ زندہ ہو گیا ہے۔"

"کیا کہا۔ مُردہ زندہ ہو گیا ہے۔ یہ آپ کیا کہ رہے
ہیں۔"

Malik Ji

9-Aug-14

”جی میں ٹھیک کر رہا ہوں۔ آپ کا ڈرائیور تقدیر علی زندہ سلامت
حالت میں اپنے گھر میں چھا بیٹھا تھا۔ پولیس کو فون کر دیا گیا
ہے۔ اب اسے گرفتار کر لیا جائے گا۔ آپ کو کوئی اعتراض
تو نہیں۔“

”اعتراض کیسا۔ ایسے آدمی کو تو فوری طور پر گرفتار کرنا چاہیے
ٹھہریے یس بھی آ رہا ہوں۔“

”شکریہ جناب۔ اسی لیے تو میں نے آپ کو فون کیا ہے۔“
فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

وہ پھر تقدیر علی کے گھر میں داخل ہوا، محمود ابھی تک
اس سے سوالات کر رہا تھا:

”تمہارے چہرے پر میک آپ کس نے کیا تھا؟“
”خود ہی کر لیا تھا، کسی زمانے میں میں ڈراموں میں حصہ

لیتا رہا ہوں۔“
”اور آواز۔ وہ کیسے بدل لی تھی؟“

”آواز بدلنے کی مشق بھی مجھے ہے۔“
”پروگرام کیا تھا۔ تمہیں ہمارے بارے میں معلوم کس طرح

ہو گیا تھا؟“
”دوسرے فون پر میں نے بھاکڑا صاحب اور خان صاحب کی

آواز سن لی تھی۔ یہاں پہنچ کر جب بھاکڑا صاحب اندر چلے

گئے تو پھر میں کار سے نکل کر ڈرائنگ روم کی کھڑکی کے ساتھ
لگ کر کھڑا ہو گیا اور اندر ہونے والی گفتگو سننے لگا۔

پھر بھاکڑا صاحب ہارے کر باہر نکلے، آپ لوگ ان کے ساتھ
تھے، اس وقت تک میں اپنا حلیہ تھوڑا بہت تبدیل کر چکا

تھا، اسی لیے ڈرائیونگ سیٹ سے اٹھ کر باہر بھی نہیں نکلا
تھا۔ آپ لوگ خود ہی دروازہ کھول کر بیٹھ گئے تھے، پھر

بھاکڑا صاحب نے ہار خفیہ خانے میں رکھ دیا، لیکن میں خفیہ
خانہ کھولنے کی ترکیب نہیں جانتا تھا، ورنہ خانہ کھولنے کا

طریقہ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن افسوس۔ میرا سارا پروگرام
دھرا کا دھرا رہ گیا۔ کوئی میرا بھی استاد نکلا۔ اور ہمارے آپک لے

گیا۔“
”ہوں۔ تو یہ ہے تمہاری کہانی۔“ فاروق نے لمبا سانس

کیھنچا۔
”جی ہاں! اس میں قطعاً کوئی جھوٹ نہیں ہے۔“

”بہت بہت شکریہ کہ آپ نے ہم سے جھوٹ سے پاک
بات چیت کی۔ اب ہمارا آپ سے صرف ایک سوال ہے۔ اور

وہ یہ کہ۔“
”اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔“

”دیکھو فاروق۔ یہ کم از کم انکل اکرام تو نہیں لگتے۔“

فادوق نے دروازے کی طرف قدم اٹھا دیے۔ اور واپس آیا تو اس کے ساتھ جاکر صاحب تھے :

"اُف خدا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم آتین کا ساپ ثابت ہو گئے۔"

قدیر علی کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ اسی وقت دشتک ایک بار پھر ہوئی۔

"اس بار ضرور انکل اکرام ہیں۔" فرزانہ بولی۔

فادوق پھر باہر کی طرف گیا اور اکرام اور پولیس کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"ہاں جی۔ کیا معاملہ ہے؟" اکرام نے کہا۔

"میں تفصیل سناتا ہوں انکل۔" محمود نے کہا اور تمام کہانی سنائی دی۔

"تو اب ہم مشرقی علی کو گرفتار کر لیں۔ یہی چاہتے ہوتا تم۔"

"جی ہاں! اور اس سے مزید معلومات حاصل کرنا ہوں گی۔"

"میں سب کچھ بتا چکا ہوں۔"

"لیکن بھئی۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ نامعلوم حملہ آور۔ جو ہمارے

ایک لے گیا۔ تمہارا ہی ایک ساتھی تھا اور یہ ڈرامہ صرف اس لیے کھیلا گیا کہ تم اگر پکڑے بھی جاؤ۔ تب بھی ہمارے کم از کم

برآمد نہ کیا جاسکے۔ اور تم چند ماہ یا ایک دو سال کی قید کاٹ کر باہر نکل آؤ اور اس بار میں سے اپنا حصہ وصول کر لو۔"

"نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ یہ پروگرام ہرگز نہیں تھا۔" اس نے چلا کر کہا۔

"خیر خیر۔ بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔" محمود نے کہا اور اکرام کو اشارہ کیا۔

قدیر علی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں۔ اور وہ وہاں سے نکل آئے، قدیر علی کی بیوی پٹھی پٹھی آنکھوں سے اپنے شوہر کو جاتے دیکھتی رہی، پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی :

"اب رونے کا کیا فائدہ۔ انہیں مجرم سے باز رکھنے کی کوشش کی ہوتی۔"

"م۔ مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا۔" اس نے کہا۔

"ہاں۔ ہو سکتا ہے۔" فرزانہ ہمدانہ لہجے میں بولی۔

وہ خان رحمان کے پاس پہنچے۔

"ہمارے گم شدگی نے رضا خان کو واقعی پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس کی بیٹی کے سسرال والے ہماری موجودگی میں اس کے گھر آئے تھے اور جہیز کی اپنی شرط کی بات کر رہے تھے، اس نے ان سے تین دن کی مہلت مانگی ہے۔"

"ٹھیک ہے، اگر ہمارے تین دن تک نہ ملا تو میں ایک کروڑ

روپے اسے ادا کر دوں گا۔" خان رحمان بولے۔
 "اُف اللہ۔ ایک کروڑ روپے۔" فرزانہ کانپ اُٹھی۔
 "کیا اب ہمیں اجازت ہے اُنکل۔"
 "اچھا ٹھیک ہے۔"

"ویسے آپ فکر نہ کریں۔ ہم نے اب تک اچھی بھلی کامیابی حاصل کر لی ہے۔"
 باہر نکل کر انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"اب ہم گھر ہی جا سکتے ہیں۔"
 "اس کیس سے متعلق ابھی ایک آدمی رہتا ہے۔ اور ہم نے اس سے کوئی بات چیت نہیں کی، کیوں نہ گھر جانے سے پہلے لگے ہاتھوں اس سے بات ہو جائے۔" فرزانہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

"اور وہ کون ہے؟" فاروق حیران ہو کر بولا۔
 "جمال امین۔ رضا خان کا دوست۔ جو اُنکل خان رحمان کو بتانے آیا تھا کہ ہار نقلی ہے؟"

"لیکن اس کا خیال غلط تھا۔ شاید وہ بہت ایمان دار آدمی ہے، اور اپنے دوست کو بے ایمانی کرتے نہیں دیکھ سکتا، اسی لیے چلا آیا۔"

"ہاں ٹھیک ہے، لیکن ہم اپنے اصول کو کیا کریں۔ کسی

کو بھی شک سے بُری نہ سمجھو۔"
 "اوہ ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ خیر تو پھر آؤ، اس سے بھی ملاقات کر لیں۔"

"رضا خان نے بتایا تھا کہ۔ اس کا دوست اس کی نگلی میں ہی رہتا ہے۔"

"ہوں۔ واقعی، ہم بھول گئے۔ ہمیں تو اسی وقت اس سے مل لینا چاہیے تھا، خیر آؤ۔"

آدھ گھنٹے کے بعد وہ جمال امین کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ جلد ہی دروازہ کھل گیا اور اس کا چہرہ نظر آیا۔ انھیں دیکھ کر اس نے حیرت زدہ انداز میں پلکیں جھپکائیں، پھر بولا:

"فرمائیے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"پہلے تو کہیں بٹھائیے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اوہ ہاں۔ آئیے۔"

وہ انھیں اپنے مکان کے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں لے آیا، بیٹھنے کے بعد بولا:

"جی۔ اب فرمائیے۔"

"آپ کی ایمان داری سے جی بہت خوش ہوا۔" فاروق

نے کہا۔

"شکریہ!"

"آپ کام کیا کرتے ہیں جناب؟"

"کام۔ میں ایک ہوٹل میں ملازم ہوں۔"

"آپ جب خان رحمان صاحب سے ملاقات کے لیے آئے تو

اپنا نام غلط کیوں بتایا تھا؟"

"تاکہ میرے دوست رضا خان کو معلوم نہ ہو سکے کہ کون

آ رہا ہے۔"

"ہار اب کہاں ہے؟"

"ہار اب کہاں ہے۔ یہ کیا بات ہوئی۔" اس نے چونک

کر کہا۔

"جی ہاں۔ بے شک یہ کوئی بات نہیں ہوئی، لیکن پھر

بھی آپ سے یہ پوچھیں گے۔ کہ ہار اب کہاں ہے؟"

"کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ ہار میں نے اڑایا ہے۔" اس

نے پریشان ہو کر کہا۔

"نہیں۔ کم از کم اڑانے والے تو آپ نہیں تھے۔ آپ تو

بدستور خان رحمان صاحب کے گھر میں موجود رہے، لیکن سازش

میں شریک آپ بھی ہو سکتے ہیں۔"

"سازش کیسی۔ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔"

"ہار کا اس طرح اڑا لیا جانا ایک سوچی سمجھی سازش ہے

اور آپ بھی اس سازش سے باہر نہیں ہیں۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ تو یہ تو بہ۔" اس نے کانوں

کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

Malik Ji

9-Aug-14

فون نہیں کیا

”اس وقت کون ملے آگیا آپ سے؟“

”میرا دوست رضا خان۔ اس نے مسکرا کر کہا اور دروازہ کھولنے

چلا گیا۔

”چکر سمجھ میں نہیں آ رہا۔ لیکن چکر ہے ضرور کوئی۔“ فرزانہ

بڑبڑائی۔

”اوہ۔ میری سمجھ میں ایک بات آگئی۔“ محمود نے چومک

کر کہا۔

اسی وقت قدموں کی آواز ابھری۔ اور وہ خاموش ہو گئے۔

دوسرے ہی لمحے جمال امین اپنے دوست رضا خان کے ساتھ اندر

داخل ہوا :

”تو آپ یہاں بھی موجود ہیں؟“

”کیا کیا جائے۔ موجود ہونا ہی پڑتا ہے۔ ہمارا کام ہی

ایسا ہے۔“

”لیکن میرے دوست کا اس معاملے سے قطعاً کوئی تعلق نہیں،
یہ بے چارہ تو بس اپنی ایمان داری سے مجبور ہو کر وہاں گیا تھا۔“
”ہمیں حیرت ہے۔“ فرزانہ بولی۔

”حیرت۔ کس بات پر؟“ رضا خان نے حیران ہو کر کہا۔

”اتنے ایمان دار دوست سے بھی آپ نے ہار کا راز چھپائے

رکھا۔“

”اس خیال سے کہ بات اس طرح پھیل سکتی تھی۔ راز کی

بات جب ایک منہ سے نکل جاتی ہے تو پھر اسے راز کی بات کسی

صورت بھی نہیں کہا جاسکتا۔“

”ہوں۔ بات تو ٹھیک ہے۔“

”اب اگر آپ کا ہار نہ ملا تو آپ کیا خان رحمان صاحب سے

ایک کروڑ روپے لیں گے؟“

”میں کم از کم اپنی بچی کے جینز جتنی رقم ضرور ان سے لینا

پسند کروں گا۔“

”خیر فکر نہ کریں۔ خان صاحب آپ کو پوری قیمت ادا کر سکتے

ہیں۔ ان کا اتنا دل گردہ ہے۔“

”اب ہم چلتے ہیں۔“ محمود نے کہا۔

باہر نکل کر وہ گھر کی طرف روانہ ہوئے :

”ہاں محمود۔ اب بتاؤ۔ تمہاری سمجھ میں کیا بات آئی ہے۔“

Malik Ji

9-Aug-14

”بات اتنی مختصر نہیں۔ کافی لمبی ہے۔“

”کچھ بھی ہو۔ ہمیں تو سنا ہی ہو گی۔“

”تو پھر سنو۔ رضا خان نے دراصل خان رحمان صاحب کو ٹھکنے کا پروگرام بنایا تھا۔“

”وہ کیسے؟“

”اس طرح کہ وہ ہمارے دراصل نقلی تھا۔“

”کیا!؟“ فاروق اور فرزاد چونک پڑے۔

”ہاں! میرا اندازہ یہی ہے۔ سنو۔ رضا خان کو اس کی بیٹی کے سُوال والوں نے تنگ کر رکھا تھا۔ اس کے پاس جہیز کا کوئی انتظام نہیں تھا؛ چنانچہ اس نے باقاعدہ ایک منصوبہ بنایا۔ اپنے دوست کی مدد بھی حاصل کی۔ تاکہ اس بات میں وزن پیدا ہو جائے۔ اور اُنکل خان رحمان ہمارے خریدنے پر مجبور ہو جائیں۔“ محمود یہاں تک کہ کر رک گیا۔

”لیکن اُنکل خان رحمان نقلی ہمارے کس طرح خرید سکتے تھے، کیا رضا خان نے یہ نہیں سوچا ہو گا کہ وہ ہمارے چیک بھی کرائیں گے۔“

”ہاں! ضرور سوچا ہو گا۔ اور اس نے پہلے اُنکل خان رحمان کے جوہری کے بارے میں معلوم کیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے، وہ

بہت دنوں سے اس فکر میں ہو۔ خیر تو اسے معلوم ہوا کہ اُنکل کے جوہری خالد جاوید بھاگڑا ہیں، وہ ان سے جا کر ملا۔ ساری تجویز سامنے رکھی اور کہا کہ اگر وہ ہمارے اصل قرار دے دیں تو اس کا بہت کام بن جائے گا۔ بھاگڑا صاحب کو شاید اس پر ترس آگیا اور اس نے اس کا ساتھ دینے کا ارادہ کر لیا، لیکن دوسری طرف ان کا ڈرائیور بے ایمان ہو چکا تھا اور کوئی لمبا ہاتھ مارنے کی فکر میں پہلے سے تھا۔ اس نے یہ موقع غنیمت جانا اور ہمارے اڑا لیا، لیکن ہمارے پاس بھی نہیں رہ سکا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ ہمارے جانے والا کون تھا؟“

”اگر یہ بات معلوم ہو جائے تو سارا کیس ہی نہ حل ہو جائے۔“

فاروق نے منہ بنایا۔

”گویا ہمیں اس نامعلوم حملہ آور کو تلاش کرنا ہے۔ جو آخر میں ہمارے اڑا۔“

”یہاں میں ایک اعتراض کروں گی۔“ فرزاد نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

”اعتراض کرنے کے سوا تمہیں آتا ہی کیا ہے۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”پہلے سن لو، پھر اعتراض پر اعتراض کرنا۔ اُنکل خان رحمان کو وہ ہمارے اصل معلوم ہوا تھا، بھاگڑا صاحب نے بھی

اسے اصلی ہی قرار دیا تھا۔ یہ دونوں حضرات ہیروں کے بارے میں بہت سوچ بوجھ کے مالک ہیں، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک بالکل نقلی ہار کو وہ بالکل اصلی خیال کر بیٹھے؟

”تو پھر کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ ہار اصلی تھا؟“
 ”نہیں! میں یہ نہیں کہوں گی۔ ہار تو خیر نقلی ہی تھا، لیکن مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ نقلی ہار کو اصلی کیسے سمجھ لیا گیا۔“
 ”بھلا اس کا جواب ہم کیا دے سکتے ہیں؟“ فاروق نے برا

سامنے بنایا۔

”ہو سکتا ہے۔ وہ بہت اچھی نقل ہو۔“
 ”ہوں۔ خیر۔ آبا جان ہمارا بے چینی سے انتظار کر رہے ہوں گے۔ اب اس سلسلے میں ان سے بھی مشورہ ہو جانا چاہیے۔“
 فرزانہ بولی۔

وہ گھر پہنچے، انپکڑ جمشید واقعی ان کا انتظار کر رہے تھے:

”تمہیں تو بہت پہلے یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا؟“
 ”جی ہم ذرا تفتیش کرتے دور بھل گئے تھے۔“
 ”ہوں خیر۔ اب ذرا اپنی کار گزار دی سنا دو۔ تمہارے انکل کو اس مرتبہ کہیں ایک کروڑ روپے تو ادا نہیں کرنا پڑیں گے۔“
 ”نظر تو یہی آتا ہے، اگر ہم ہار برآمد نہ کر سکیں تو ضرور ایسا ہو گا۔“

”اور یہ بہت بُرا ہو گا۔“ وہ مسکرائے۔

”جی ہاں! اس میں کیا شک ہے۔ بُرا تو واقعی ہو گا۔“

”پہلے تم مجھے ساری کہانی سناؤ۔“

محمد نے پوری تفصیل سنا دی۔ انپکڑ جمشید سوچ میں ڈوب گئے، آخر بولے:

”مجھے تو اس معاملے میں سازش کی بو محسوس ہو رہی ہے۔ ہم خان رحمان کو اس سازش سے بال بال بچائیں گے ان شاء اللہ۔“

میں اُسی وقت فون کی گھنٹی بجی، انھوں نے فوراً ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے خان رحمان کی آواز سنائی دی:

”ہیلو جمشید۔ کیا محمد، فاروق اور فرزانہ گھر پہنچ چکے ہیں؟“

”ہاں جی۔ ابھی ابھی آئے ہیں۔ تم شاید ہار کی خبر سننے

کے لیے بے چین ہو، وہ ابھی ہار کو تلاش نہیں کر سکے، تاہم ان کی تفتیش آگے بڑھی ہے۔“

”نہیں۔ میں نے یہ جاننے کے لیے فون نہیں کیا کہ ان کی

تفتیش کہاں تک پہنچی۔ بلکہ بات یہ ہے کہ مجھے تھوڑی دیر پہلے

ایک فون موصول ہوا ہے۔ تمہیں فوری طور پر اطلاع نہیں دے

سکا، کیوں کہ ایک مطلقاً آگیا تھا، ہاں تو فون اس نامعلوم

آدمی کی طرف سے کیا گیا ہے، جو ہار اڑا کر لے گیا ہے۔“

”اوہ۔ اس نے کیا کہا ہے؟“ انپکڑ جمشید چونکے۔

"یہ کہ ہار میرے حوالے کیا جاسکتا ہے۔ صرف پچیس لاکھ روپے کے بدلے میں۔"

"لیکن ہم ایک نقلی ہار کو لے کر کیا کریں گے۔ انپکٹر جمشید بولے۔"

"اس کا کہنا ہے کہ ہار بالکل اصلی ہے۔ بازار میں اس کی قیمت ایک کروڑ روپے لگ سکتی ہے، لیکن وہ اسے بازار میں فروخت کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ اس لیے اس نے مجھے فون کیا تھا۔"

"ہوں ٹھیک ہے، پھر تم نے کیا کہا؟"

"میں نے کہہ دیا کہ سوچ کر بتاؤں گا۔"

"اب وہ فون کرے تو اس سے کہہ دینا، تم ہار خریدنے کے لیے تیار ہو۔ بس یہ معلوم کر لینا کہ طریقہ کار کیا ہو گا۔"

"اچھی بات ہے۔ انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔"

"ابھی وہ مڑے ہی تھے کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔ انپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھایا۔"

"کیا یہ گھر انپکٹر جمشید کا ہے جناب؟"

"جی ہاں۔ فرمائیے۔ آپ کون ہیں اور کس سے؟"

"چاہتے ہیں؟"

"میں رضا خان ہوں۔ محمود صاحب سے بات کراؤں۔"

"لو بھئی محمود۔ رضا خان صاحب کا فون ہے۔"

"محمود نے ریسیور لیا اور بولا۔"

"ہیلو رضا صاحب۔ محمود بول رہا ہوں۔ فرمائیے، کیا بات ہے۔"

"اس نامعلوم حملہ آور کا فون موصول ہوا ہے۔ وہ ہار فروخت کرنا چاہتا ہے اور اس کے پچیس لاکھ روپے مانگتا ہے۔ میں بھلا ہار کس طرح خرید سکتا ہوں؟"

"پھر آپ نے کیا جواب دیا۔"

"یہی کہ میرے پاس تو ایک لاکھ روپے بھی نہیں ہیں۔ اس پر اس نے کہا ہار خان رحمان کو فروخت کرنے کے بعد جو رقم ملے گی، اس میں سے پچیس لاکھ روپے دینا کیا مشکل ہو گا؛ چنانچہ میں نے یہ سودا منظور کر لیا ہے۔"

"اوہ۔ بہت خوب۔ یہ آپ نے اچھا کیا۔ وہ ہار آپ کو کس جگہ دے گا۔"

"ابھی یہ طے نہیں ہوا، اس سلسلے میں وہ پھر فون کرے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ مجوں ہی وہ فون کرے، آپ ہمیں اطلاع کر دیں۔ محمود بولا۔"

"بہت بہتر، میں ایسا ہی کروں گا۔"

محمود نے ریسور دکھ دیا۔ اور بولا :

"ہمارے اڑانے والے نے اب ان لوگوں سے رابطہ قائم کرنا شروع کر دیا ہے جو ہمارے خریدنے میں دلچسپی رکھتے ہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کیا طریقہ اختیار کرتا ہے؟"

"ہوں۔ اور ابھی اس نے صرف خان رحمان اور رضا خان کو ہی فون کیا ہے شاید؟ انپیکٹر جمشید بولے۔
"ان دو کے علاوہ وہ اور فون کر بھی کس کو سکتا ہے؟ فرزاد نے فوراً کہا۔"

"کیوں۔ ہمارا صاحب بھی تو ہمارے خرید سکتے ہیں۔ انپیکٹر جمشید نے پُر زور لہجے میں کہا۔"

"ہمارا صاحب۔ بھلا وہ کیوں خریدنے لگے آبا جان۔ ہمارے کی ضرورت اس وقت رضا خان کو ہے یا پھر انکل خان رحمان کو، اور رضا خان کی پیش کش سے کم از کم ایک بات ظاہر ہوتی ہے۔
"وہ کیا؟"

"یہ کہ ہمارے اصلی ہے۔ اگر ہمارے نقلی ہوتا تو رضا خان نامعلوم پتہ پر کو کبھی پچیس لاکھ روپے دینا منظور نہ کرتا۔ اور واقعی سب

سے حیرت انگیز بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ وہ ہمارے کس طرح واپس کرتا ہے اور اپنا حصہ کس طرح وصول کرتا ہے، کیوں کہ اگر اس نے ہمارے واپس کر دیا اور اس کے بعد رقم کی امید رکھی

تو پھر اس سے زیادہ بے وقت کوئی نہیں ہوگا۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اب ہمیں اس کے فون کا انتظار کرنا ہوگا، اس فون کا جو وہ رضا خان کو یا انکل خان رحمان کو کرے گا۔"

"ہوں۔ بالکل ٹھیک ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں۔ اصل چور کی تلاش تو ہمیں جاری رکھنا ہوگی۔ تم اگر حملہ آور کی ایک جھلک دیکھ لیتے تو کام زیادہ مشکل ثابت نہ ہوتا۔"

"ہم نے کوشش ہی نہیں کی تھی۔ دراصل جب بھی کوئی بیرون یا سونے وغیرہ کا چکر چلتا ہے۔ ہم پر جھلاہٹ طاری ہو جاتی ہے۔ ان چیزوں کے لیے زندگی کو خطرے میں ڈالنے کو جی نہیں چاہتا۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ دیکھا جائے گا۔ اب تم لوگ آرام کرو۔ تنک گئے ہو گے۔ میں ادھر ادھر کے دو ایک کام نبھائوں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔"

وہ اپنے کمرے میں آگئے، پھر ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد فون کی گھنٹی بجی۔ انپیکٹر جمشید شاید لائبریری میں تھے۔ محمود نے جلدی سے ریسور اٹھا لیا :

"رضا خان بول رہے ہیں۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔"

”اور میں محمود ہوں۔ فرمائیے۔ کیا اس کا فون ملا؟“
 ”ہاں! اس نے بہت عجیب شرط رکھی ہے۔ میں حیران ہوں کہ
 اب کیا بنے گا۔“

”کیا شرط رکھی ہے؟“
 ”رقم لے کر مشرقی پہاڑیوں میں آجاؤ۔ ہمارے لو، رقم
 دے دو۔“

”یہ تو بہت ہی اچھی اور آسان شرط ہے۔ اس میں عجیب
 بات کیا ہے؟“

”پہلے تو اس نے یہ کہا تھا کہ ہار خان رحمان صاحب کو فروخت
 کرنے کے بعد رقم ادا کر دینا۔“

”بعد میں اس نے سوچا ہوگا کہ اس طرح اسے رقم کون دے
 گا۔“ محمود مسکرایا۔

”ہاں شاید۔ اب میں اسے کیا جواب دوں۔ وہ چند منٹ
 بعد پھر فون کرے گا۔“

”اسے کد دینا۔ شرط منظور ہے۔“
 ”نہیں۔ لیکن رقم۔“

”ہم رقم لے کر جائیں گے۔ فکر نہ کریں۔“

”بہت بہتر۔ میں اس سے کہ دوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے

ریسیور رکھ دیا۔

”حمد آدر خود ہی جال میں آ رہا ہے۔ وہ شمالی پہاڑیوں
 میں ہمارے کر آئے گا اور پکڑا جائے گا۔ اس نے کہا۔
 ”یہ کیسے کہا جا سکتا ہے۔ آخر اس نے بھی تو کچھ سوچا ہو
 گا۔“

”گویا سوچ کا سوچ سے مقابلہ ہوگا۔“ فاروق مسکرایا۔
 ”ہاں! ہمیں بھی کچھ سوچنا چاہیے۔ آخر اس نے انکل سے
 کیوں رابطہ قائم نہیں کیا۔ رضا خان کو بھی تو رقم انکل سے ہی
 مل سکے گی۔“

”اس کے لیے دونوں برابر ہیں۔“
 اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

”آئیے آبا جان۔ دروازہ کھلا ہے۔“ فرزانہ بولی۔

”دوسرے ہی لمحے انیکٹر جمشید اندر داخل ہوئے۔“

”ہاں جی۔ کیا خبر ہے۔ میں فون نہیں سن سکا۔“

”اس نے رقم شمالی پہاڑیوں میں منگائی ہے، وہیں ہمارے

دے گا، لیکن وقت ابھی طے نہیں کیا، چند منٹ بعد پھر فون

کرے گا۔ اور رضا خان ہمیں فون کرے گا۔“

”چلو ٹھیک ہے۔ کوئی بات تو طے ہوئی۔ انہوں نے مطمئن

ہو کر کہا۔

”آدھ گھنٹے کے بعد رضا خان نے پھر فون کیا :

Malik Ji

9-Aug-14

”مہم۔ میں بہت پریشان ہوں۔“

”کیوں۔ کس لیے؟“ محمود بولا۔

”اس نے دوبارہ فون نہیں کیا، حالاں کہ چند منٹ بعد فون کرنے کا وعدہ کیا تھا۔“

”کوئی بات نہیں۔ ابھی اتنا زیادہ وقت نہیں گزرا۔ وہ بھی آخر انسان ہے۔ کوئی کام پڑ سکتا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔“

”ایک منٹ رضا صاحب۔ آپ کے گھر میں تو فون ہے ہی نہیں۔ وہ آپ کو فون کہاں کر رہا ہے؟“ محمود نے چونک کر کہا۔

”میرے دوست جمال امین کے فون نمبر پر۔ اس کے گھر میں

فون ہے، اور یہ فون اس کے ہوٹل والوں نے گوا کر دیا ہے۔“

”اوہ۔“ محمود کے منہ سے نکلا اور پھر اس نے حیرت زدہ

انداز میں ریسیور رکھ دیا۔

”کیا یہ ایک عجیب بات نہیں ہو گئی۔ کہ وہ نامعلوم آدمی رضا

خان کو فون اس کے دوست جمال امین کے نمبر پر کر رہا ہے۔

وہی جمال امین جس نے انکل کے گھر آکر یہ کہا تھا کہ ہار نقلی ہے۔“

”ہے تو عجیب ہی، لیکن اتنی بھی عجیب نہیں۔“ فاروق

نے کہا۔

”کیوں، اس قدر عجیب کیوں نہیں۔ آخر اسے کس طرح

معلوم ہو گیا کہ جمال امین کے گھر میں بھی فون ہے۔ اور دوسرے یہ کہ فون کا نمبر کیا ہے۔“

”واقعی عجیب بات ہے۔ فاروق کے سامنے سے کیا ہوتا ہے۔“

”اور دوسری عجیب بات یہ ہے کہ اس نے رضا خان کو فون

کرنے کے لیے اتنے پاپڑ کیوں بیٹے۔ وہ سیدھا سادا انکل خان

رحمان سے معاملے کر سکتا تھا۔“

”یہ تو اس کی سمجھ ہے۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے

خان رحمان سے اسے ڈر لگا ہو۔“

”ٹھیک اُدھ گھنٹے بعد رضا خان نے پھر فون کیا۔ اور اس

کے ایک گھنٹے بعد ایک اور فون اس نے کیا۔ دونوں مرتبہ اسی

نے یہی کہا:

”ہار اڑانے والے نے پھر فون نہیں کیا۔“

Malik Ji

9-Aug-14

نئی پریشانی

”اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اس کا ارادہ بدل گیا ہے۔“
محمود بڑبڑایا۔
”ہاں! یا پھر اسے کوئی اور گاہک مل گیا ہے۔“ انپکرومشید
بولے۔

”رضا خان کے بارے میں تو ہمیں معلوم تھا اب کیسے
معلوم ہو سکے گا کہ اس نے کس سے رابطہ قائم کیا ہے۔“ فرزانہ
نے پریشان ہو کر کہا۔
”کوئی ایسی بات نہیں۔ ہمارے متعلق اس وقت تک
جتنے آدمیوں کے نام سامنے آئے ہیں، وہ ان میں سے ہی
کسی سے رابطہ قائم کر سکتا ہے۔ کوئی اور تو بغیر تحقیق کے
اس بار کو خریدے گا نہیں۔ خیر تم نکر نہ کرو۔ میں اس کا
مندوبت کیے دیتا ہوں۔ پہلے خان رحمان سے معلوم کر لوں۔“
انہوں نے خان رحمان کے نمبر ڈائل کیے :

”ہیلو خان رحمان۔ ہار اڑانے والے نے پھر فون کیا یا نہیں؟“
”نہیں جیشید۔ میں خود بہت حیران اور پریشان ہوں۔“
”تمہیں حیران اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ویسے
تم چاہو تو ہمارے ہاں آ جاؤ۔“
”تمہارے ہاں آ جاؤں۔ کیوں۔ کیا ہار اڑانے والا یہاں
آئے گا۔“

”وہ یہاں نہیں آئے گا، ہم اس کے پیچھے جائیں گے۔“
”ارے۔ تو کیا تمہیں اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو گیا
ہے۔“ خان رحمان خوش ہو گئے۔

”ابھی نہیں۔ بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔“
”تو پھر میں آ رہا ہوں۔ اس سے اچھی بات اور کیا ہو
گی۔“ وہ بولے۔

اور انہوں نے سلسلہ کاٹ کر پھر کسی کے نمبر ڈائل کیے،
جلد ہی وہ بولے :

”جن لوگوں کی نگرانی کے لیے میں نے کہا تھا، ان کی
نگرانی اسی وقت سے شروع کر دی جائے۔ اسی میں ذرا بھی
کوئی تاہی نہ ہو۔“ یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

”اس کا مطلب ہے۔ آپ باقاعدہ میدان عمل میں اتر آئے
ہیں۔“ فرزانہ مسکرائی۔

”کیا کیا جائے مجھ کو ہے؟“ وہ بولے۔

پندرہ منٹ بعد خان رحمان وہاں پہنچ گئے:

”ہاں بھئی! اب بتاؤ۔ کیا معاملہ ہے؟“

”معاملہ کیا ہوتا، بس ہمیں مار اڑانے والے کو پکڑنا ہے۔“

”اور تم اسے پکڑ لو گے؟“

”ہاں بالکل۔“

”بھئی واہ۔ پھر تو مزا آجائے گا۔ میں اس مار کو خرید

سکوں گا۔“

”لیکن خان رحمان۔ تم آخر ہیرے خرید کر کیا کرو گے۔ مجھے

یہ ہیرے اور سونا وغیرہ بالکل پسند نہیں، ہر دور میں ان کی

خاطر انسانوں کا خون بہایا گیا ہے۔ جس کے پاس ہیرے ہوں

وہ سکون سے نہیں سوتا۔ اور پھر ان کے اصلی اور نقلی ہونے

کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ اب اسی مار کے بیروں کو ہی لے لو۔

ابھی تک تو تمہیں یہ بھی پتا نہیں کہ وہ اصلی ہیں یا نقلی۔ کیوں

ٹھیک ہے نا۔“

”ہاں۔ یہ تو خیر ٹھیک ہے؟“ خان رحمان بھرائی ہوئی آواز

میں بولے۔

”ان کی قیمت اگر اصلی ہیں تو ایک کروڑ اور اگر نقلی ہیں

تو چند سو روپے۔ ایسی چیز کا کیا خریدنا۔ میرے نزدیک تو یہ

چیز بہت ہی غریب ہے؟“ انپکٹر جمشید بولے۔

”کیا چیز غریب آبا جان۔ ہیرے؟“ فاروق بوکھلا اٹھا۔

”ہاں۔ بہت غریب۔ جو کسی بھی کام کے نہیں۔ ان کا فائدہ

ہی کیا ہے؟“

”غغ۔ غریب ہیرے۔ آف اللہ۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو

سکتا ہے۔“

”ہوں۔ واقعی۔ ہو تو سکتا ہے؟“ انپکٹر جمشید نے مسکرا کر

اس کی طرف دیکھا۔

”اب۔ باجان۔ یہ آپ کو رہے ہیں؟“ فرزانہ ہسکلائی۔

”ہاں بھئی۔ غریب ہیرے۔ واقعی ایک عجیب نام ہے۔

اور یہ کسی۔“

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے جلدی سے ریسیور

اٹھایا۔ دوسری طرف کی بات سننے ہی ریسیور رکھ دیا۔ اور

بولے:

”چلو بھئی چلیں، کام شروع ہو گیا ہے۔“



”کام شروع ہو گیا ہے۔ کون سا کام؟“ محمود بولے۔

Malik

9-Aug-14

”ہار اڑانے والے کے خلاف۔ سوالات نہ کرو۔ اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔“

وہ گھر سے نکل کر خان رحمان کی کار میں بیٹھے اور شمالی پہاڑیوں کی طرف روانہ ہو گئے :

”کیا آپ کو معلوم ہے آبا جان۔ رضا خان کی بجائے اس نے کس سے رابطہ قائم کیا ہے؟“

”ہاں! یوں سمجھ لو۔ معلوم ہی ہے۔“

”آپ کچھ چھپا رہے ہیں۔“ فرزانہ نے بغور ان کی طرف دیکھا۔

”تمہارا یہ خیال بھی ٹھیک ہو سکتا ہے۔“ وہ مکرانے۔

”ادھو۔ آپ تو بہت پر اسرار بن رہے ہیں آج۔“ فاروق

بولے۔

”تم بھی بن جاؤ۔ کس نے روکا ہے۔“ انہوں نے شوخ آواز میں کہا۔

”آج مجرم کی خیر معلوم نہیں ہوتی۔“ فرزانہ بڑبڑائی۔

”یہ تم نے کس طرح کر دیا فرزانہ؟“ خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

”آبا جان کا موڈ دیکھ کر۔ ایسا موڈ ان پر اسی وقت طاری

ہوتا ہے جب مجرم پوری طرح ان کے جال میں آجاتا ہے۔“

”کیوں جمشید۔ کیا مجرم پوری طرح تمہارے جال میں آچکا

ہے۔“

”ہاں۔ شاید۔ میں ابھی یقین سے کچھ نہیں کر سکتا۔“

”جگہ اس نے شمالی پہاڑیاں ہی رکھی ہے۔ حالانکہ کسی دوسرے سے بات کرنے کی صورت میں جگہ بھی بدل لینی چاہیے تھی۔“

”مجرم کی اپنی ایک سمجھ ہوتی ہے۔ وہ صرف اس سے کام

لیتا ہے۔ اور اپنے مقابلے میں دوسروں کو بے وقوف خیال

کرتا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو وہ مجرم ہی کیوں کرے۔“ انپکڑ

جمشید مکرانے۔

بیس منٹ بعد شمالی پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کار

کو ایک مناسب سی جگہ کھڑا کیا اور پیدل آگے بڑھنے لگے۔

وہ چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔

”ادھو۔ وہاں کوئی کھڑا ہے۔“ فرزانہ نے اوپر کی طرف

اشارہ کیا۔

سب نے اس سمت میں دیکھا۔ واقعی وہاں کوئی کھڑا تھا،

تاروں کی روشنی میں اس کا جسم صاف نظر آ رہا تھا :

”یہ کون ہے۔ ہار اڑانے والا۔“ محمود بولا۔

”اس کے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔“ فرزانہ مکرانے۔

”آبا جان۔ آپ کیوں خاموش ہیں؟“

Malik Ji

9-Aug-14

کی بولکلائی ہوئی آواز سنئی۔

”جی ہاں۔ یہ ہم ہیں۔ تو وہ نہیں آیا۔“

”جی۔ آپ کو کیسے معلوم؟ بھاکڑا صاحب نے گھبرا کر پوچھا۔

”اس نے پہلے خان رحمان سے رابطہ قائم کیا تھا، پھر رضا

خان سے۔ لیکن اس کے بعد اس نے شاید آپ سے بات چیت

کر لی اور آپ کو ہی ہیروں کا ہار فروخت کرنے کی ٹھان لی،

لہذا اس نے آپ کو یہاں بلایا۔ میں نے سب لوگوں کی نگرانی

شروع کر رکھی تھی۔ جوں ہی آپ شمالی پہاڑیوں کی طرف روانہ

ہوئے، مجھے اطلاع مل گئی۔ اور ہم ادھر روانہ ہو گئے، لیکن وہ

تو پہنچا ہی نہیں۔“

”اب میں سمجھا۔ وہ کیوں نہیں آیا۔ اسے آپ لوگوں کے

یہاں پہنچنے کی خبر ہو گئی ہو گی۔ اس صورت میں وہ کس طرح

آ سکتا تھا؟ بھاکڑا صاحب نے مزہ بنایا۔

”لیکن اگر اس نے آپ کو فون کیا تھا تو آپ ہم لوگوں کو

اس کی اطلاع تو کر دیتے۔“ محمود نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

”میں نے سوچا۔ پہلے ہار حاصل کر لوں، پھر آپ لوگوں

کو فون کروں۔ کیا یہ انپکٹر جمشید ہیں؟ بھاکڑا صاحب نے

خان رحمان کی طرف دیکھا۔

”ہاں!“ وہ بولے۔

”ہم اس کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جلد معلوم ہو جائے گا
وہ کون ہے۔ آپس میں جھگڑنے کی بجائے نہایت خاموشی سے
آگے بڑھتے رہو۔“ انھوں نے سرگوشی کی۔

وہ خاموش ہو گئے اور پوری احتیاط سے آگے بڑھنے

لگے۔ اب ان کے دل دمک دمک کرنے لگے تھے۔ دُور کھڑا

شخص اب پہلے کی نسبت مات نظر آنے لگا تھا، لیکن چہرے

کے نقش و نگار ابھی تک نظر نہیں آ سکتے تھے۔ آخر وہ بالکل

نزدیک پہنچ گئے؛ تاہم انھوں نے اس قدر احتیاط کی تھی

کہ اسے ان کی آمد کی خبر نہ ہو سکی۔ وہ پریشانی کے عالم

ادھر ادھر دیکھ رہا تھا اور بار بار گھڑی پر بھی نظر ڈال

رہا تھا۔

پندرہ منٹ اسی عالم میں گزر گئے۔ آخر وہ مڑا اور نیچے

اُترنے لگا۔ شاید وہ مایوس ہو چکی تھا۔ یہاں تک کہ وہ ان

کے قریب سے گزرنے لگا۔ ایسے میں انپکٹر جمشید کی آواز

اُبھری:

”آپ شاید مایوس ہو گئے۔“

وہ بُری طرح اُچھلا۔ سنبھل کر ان کی طرف دیکھا اور پھر

آنکھیں جرت سے چیلی پٹی چلی گئیں:

”آپ۔ آپ۔ یعنی کہ آپ لوگ؟“ انھوں نے بھاکڑا صاحب

Malik Ji

9-Aug-14

”اس نے جب مجھے فون کیا اور ہار خریدنے کی پیش کش کی تو میں ہار خریدنے پر مجبور ہو گیا۔ تاکہ خان رحمان کے سر سے بوجھ اتر جائے، لیکن وہ آیا ہی نہیں۔ اس کا مطلب ہے۔ وہ ضرورت سے زیادہ چالاک ہے۔“

”یہی معلوم ہوتا ہے؟ خان رحمان بولے۔

”ہار رضا خان کا تھا۔ اس صورت میں نامعلوم آدمی سے خریدنے کا حق صرف اسے پہنچتا تھا۔ آپ کو نہیں؟“ انیکٹر جمشید نے اعتراض کیا۔

”ایک طرح سے مجھے بھی حق پہنچتا ہے۔ ہار خان صاحب نے میرے حوالے کیا تھا اور میرے ڈرائیور نے اسے اڑانے کی کوشش کی تھی، لیکن ڈرائیور سے ایک اور اچکے نے ایک لیا، یہ میرا بھی تو فرض بنتا ہے کہ میں ان کی امانت ان تک پہنچا دوں۔“

”تو کیا آپ ہار حملہ آور سے خرید کر خان صاحب کو دینے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اور قیمت اپنی جیب سے ادا کرتے۔“

”نہیں۔ میں اتنا بڑا دولت مند نہیں ہوں۔ میں خان صاحب کو ساری صورت حال بتا دیتا اور وہ مجھے میری رقم ادا کر دیتے۔“

”خیر۔ یہ تو ہوا۔ سوال یہ ہے کہ وہ کیوں نہیں آیا؟“ خان رحمان نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

”اس نے ضرور خطرہ بھانپ لیا ہوگا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ مجھے امید ہے۔ وہ پھر فون کرے گا۔“

اپنی اپنی کار میں بیٹھ کر وہ شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

”ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے بھاکڑا صاحب لاپچ میں آ گئے ہیں؟“ انیکٹر جمشید بڑبڑائے۔

”کیا مطلب۔ لاپچ میں۔ وہ کیسے؟“ خان رحمان نے چونک کر کہا۔

”انہوں نے سوچا ہوگا۔ ایک کروڑ کا ہار پچیس لاکھ میں مل رہا ہے۔ کیوں نہ چھپ کر خرید لیں اور اس میں کوئی تبدیلی پیدا کر کے اپنی دکان میں رکھ لیں۔ یہ کس قدر نفعے کا سودا خیال کیا ہوگا انہوں نے۔ اسی لیے انہوں نے نہ تو خان رحمان سے ذکر کیا اور نہ محمود وغیرہ سے۔“

”حملہ آور بھی ایک ہی حضرت ہے۔ بھاکڑا صاحب کو تو بلا لیا اور خود نہیں پہنچا۔“

”شاید وہ پولیس سے بہت ڈرتا ہے۔“ فاروق مسکرایا۔

”سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے۔ ہم تو سمجھے تھے۔“

مجرم آگیا قابو میں۔“

”بھئی کبھی کبھار جال میں آیا ہوا شکار بکھل بھی جایا کرتا ہے، اس میں پریشان ہونے کی کون سی بات ہے۔“ انیکٹر جمشید بولے۔

”مجھے تو بے چارے رضا خان کا خیال ستا رہا ہے۔“ خان سحان بولے۔

”اٹکل۔ اس کی بجائے آپ کو اپنا خیال ستانا چاہیے۔“ رضا خان کو تو ہار کی رقم مل ہی جائے گی۔ نقصان میں تو آپ رہیں گے۔“

”ہوں۔ ٹھیک ہے، لیکن مجھے اس کی پروا نہیں۔ رضا خان کی پریشانی دور ہونی چاہیے۔“ وہ سیدھے گھر پہنچے۔ خان رحمان گہری سوچ میں گم تھے، آخر انھوں نے کہا :

”جمشید۔ میں بہت فکر مند ہو گیا ہوں۔“

”کیا مطلب؟“ انھوں نے حیران ہو کر خان رحمان کی طرف دیکھا۔ ”تھوڑی دیر پہلے تم نے کہا تھا نا۔ کہ بھاگڑا صاحب لاچ میں آگئے۔ ایسا شخص اگر لاچ میں آسکتا ہے تو اور بھی بہت کچھ کر سکتا ہے۔“

”اور بھی بہت کچھ۔ کیا مطلب؟“ محمود نے چونک کر کہا۔

”آؤ جمشید۔ جلدی میرے گھر چلو۔ میری طبیعت بہت گھبرا

رہی ہے۔“

انھوں نے حیرت زدہ انداز میں خان رحمان کی طرف دیکھا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی وقت بیگم جمشید کھانے کی ٹرے اٹھائے

بادرچی خانے سے نکلیں اور ٹھٹک کر رہ گئیں :

”یہ کیا۔ آپ پھر جا رہے ہیں۔“

”ہاں بیگم۔ خان رحمان کسی پریشانی میں مبتلا ہو گئے ہیں اور فوری طور پر ہمیں اپنے گھر لے جانا چاہتے ہیں۔“ ”اوہ۔ تب تو ٹھیک ہے۔“

اور وہ تیزی سے روانہ ہوئے۔ خان رحمان کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا۔

Malik Ji

9-Aug-14

حملہ آور کون

"آخر بات کیا ہے خان رحمان۔ تم تو ضرورت سے کچھ زیادہ ہی گھبرائے ہوئے نظر آ رہے ہو؟"

"ہاں جمشید بات ہی ایسی ہے۔ میں نے آج تک جتنے بھی زیورات خریدے، جتنے بھی میرے وغیرہ خریدے۔ بھاڑا صاحب سے خریدے اور اس کام کا انھیں بہت ماہر خیال کرتا رہا۔ ایمان دار بھی۔ لیکن آج ان کا لالچ مجھ پر ظاہر ہو گیا ہے تو میں یہ کیوں نہ سمجھوں کہ انھوں نے کہیں مجھے نقلی چیزیں تو فروخت نہیں کیں، اگر ایسا ہے تو یہ ایک بہت بڑا دھوکا ہو گا۔ جمشید۔ میرے ساتھ ہی نہیں۔ اور بھی نہ جانے کتنے لوگوں کے ساتھ۔"

"اوہ۔ یہ تو بہت ہولناک خیال ہے۔ ویسے اس کا امکان ہے۔ لالچی آدمی سب کچھ کر سکتا ہے۔"

"اکی لیے میں اپنے گھر جا رہا ہوں۔ تاکہ ان زیورات کو

چیک کرا سکوں۔"

"لیکن اس کام کے لیے تو کسی ماہر جوہری کی بھی ضرورت پڑے گی۔ اس طرح ہمیں گھر پہنچ کر جوہری کا انتظار کرنا پڑے گا۔ کسی پبلک فون بوتھ کے پاس کار روک لو خان رحمان، میں اپنے ایک واقف جوہری کو فون کیے دیتا ہوں۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

جوہری کو فون کر کے وہ خان رحمان کے گھر پہنچ گئے، خان رحمان تو سیدھے تجوری کی طرف چلے گئے۔ جلدی وہ ایک صندوقچی اٹھائے ان کے پاس آ گئے۔ انھوں نے اسے کھولا۔ وہ بیروں اور زیورات سے بھری ہوئی تھی۔ جواہرات جگ جگ جگ کر رہے تھے۔ وہ انھیں الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے:

"لگ لگ۔ کہیں یہ سب غریب میرے ہی نہ ثابت ہوں۔"

فاروق بولا۔

"ہاں! مجھے یہی خون ہے۔"

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی اور پھر ظہور کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر آدمی اندر داخل ہوا:

"آئیے نیازی صاحب۔ میں نے آپ کو بے وقت تکلیف دی۔"

"کوئی بات نہیں۔ آپ کے لیے تو میری جان بھی حاضر

ہے۔ ایک بہت بڑے فراڈ سے مجھے بچا کر آپ نے اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اس کا بدلہ میں اتار ہی نہیں سکتا۔
 ”چھوٹیے نیازی صاحب۔ پرانی باتوں کو۔ اور اب ذرا نئی باتوں کی طرف آئیے۔ ان جواہرات اور زیورات کو دیکھیے۔ ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔“
 ”ابھی لیجیے۔“

نیازی صاحب نے جواہرات وغیرہ کا معائنہ شروع کیا۔ اس کام میں انہیں قریباً پینتالیس منٹ لگ گئے۔ تب کہیں جا کر انہوں نے سر اوپر اٹھایا اور بولے:
 ”اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ زیورات اور ہیرے اصلی ہیں، لیکن ہر اصلی چیز میں ایک آدھ ٹکڑا نقلی بھی ہے۔ اور وہ اتنی خوبصورتی سے شامل کیا گیا ہے کہ کوئی ماہر ہی جان سکتا ہے۔ مثلاً ہیروں کا یہ مار ہے۔ اس میں سب سے بڑا ہیرا اہلی ہے، لیکن سب سے چھوٹا ہیرا نقلی ہے۔ اب کچھ نہیں تو اس چھوٹے ہیرے کی قیمت اگر یہ اصلی ہو تو ایک لاکھ روپے ہے، لیکن نقلی ہونے کی صورت میں یہ تین چار سو روپے سے زیادہ کا نہیں ہے، یہی صورت سونے کے زیورات میں ہے۔ ہر زیور میں ایک آدھ ٹک نقلی ہے۔“

”اللہ کا شکر ہے۔ میں زیادہ بڑے نقصان سے بچ گیا۔“

خان رحمان خوش ہو کر بولے۔
 ”جی کیا مطلب۔ زیادہ بڑے نقصان سے بچ گئے۔ کیا یہ نقصان آپ کو کم نظر آتا ہے۔ لاکھوں روپے کا نقصان؟“
 ”جی ہاں۔ ذرا سوچیے۔ اگر یہ سب کے سب نقلی ہوں تو مجھے کس قدر نقصان ہوگا۔“

”اوہ ہاں۔ وہ تو ایک بہت ہی ہولناک بات ہوگی۔“
 ”بس یہی میں کہہ رہا تھا۔ جمشید۔ اب کیا کرنا ہے؟“
 ”اب بھاگڑا صاحب کو یہاں بلانا ہوگا۔“ انہوں نے کہا اور فون پر نمبر ڈائل کرنے لگے، جلد ہی سلسلہ مل گیا:
 ”ہیلو بھاگڑا صاحب۔ ایک خاص بات سامنے آئی ہے۔ فوراً خان صاحب کے گھر چلے آئیے۔“
 ”بہت بہتر آرہا ہوں۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔ اور انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔“

”کیا مجھے اجازت ہے؟“ نیازی صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔
 ”جی نہیں۔ آپ کو ابھی ٹھہرنا ہوگا۔ آپ کے ہوتے ہوئے بھاگڑا صاحب کو اپنی بے ایمانی تسلیم کرنا ہوگی۔“

”جی وہ۔ بات یہ ہے نا۔ کہ ہم ایک ہی بازار میں بیٹھتے ہیں۔ دشمنی پیدا ہو جائے گی۔“

”نکرہ کریں۔ ایسا نہیں ہوگا۔“ انپکڑ جمشید نے کہا اور

نیازی صاحب پھر بیٹھ گئے۔

میں منٹ بعد بھاگڑا صاحب پہنچ گئے۔ نیازی صاحب کو دیکھ کر وہ چونک اٹھے اور جب ان کی نظر زیورات کی صندوقچی پر پڑی تو وہ اچھل ہی پڑے :

”آپ کی چال بازی پچھڑی گئی ہے جناب۔ خان صاحب کو زیورات فروخت کرتے ہوئے آپ نے جو کارِ گیری دکھائی، وہ اب ظاہر ہو چکی ہے۔ اب آپ کیا کہتے ہیں۔“

بھاگڑا صاحب کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ وہ سکتے کے عالم میں ان کی طرف دیکھتے رہ گئے :

”تو آپ کو اپنے مجرم کا اقرار ہے؟“

وہ اب بھی کچھ نہ بولے۔

”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ جسے میں سب سے ماہر جوہری خیال کرتا ہوں۔ وہ سب سے زیادہ دھوکے باز جوہری ثابت ہو گا۔ بھاگڑا صاحب۔ آپ کو یہ تمام نقلی زیورات تبدیل کر کے دینا ہوں گے۔“ خان رحمان بھٹا کر بولے۔

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔۔ میں تبدیل کروں گا۔“

”نہیں خان رحمان۔ یہ معاملہ اب اتنا آسان نہیں رہا۔ اس میں بہت الجھن پیدا ہو گئی ہے۔“

”کیا مطلب؟“ خان رحمان چونکے۔

”انہوں نے جتنے بھی لوگوں کو اپنی زندگی میں زیورات فروخت کیے۔ ان سب میں ملاوٹ ضرور کی گئی ہے۔ ان سب کے زیورات کو تبدیل کرنا اب شاید بھاگڑا صاحب کے بس کا روگ نہ ہو، اس لیے ہم یہ معاملہ عدالت کے حوالے کر رہے ہیں۔“

”نہیں۔۔۔۔۔۔ جناب نہیں۔ میں سب لوگوں کے زیورات کے نقلی حصے اصلی سے تبدیل کر کے دوں گا۔“

”کچھ اندازہ ہے۔ یہ کام کس قدر لمبا ہو گا۔“

”ہاں جانتا ہوں، لیکن اس کے باوجود میں یہ کروں گا۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں۔“

”اور اس بار کے بارے میں کیا خیال ہے؟“ انکسٹر جمشید مکاریے۔

”کون سے بار کی بات کر رہے ہیں۔“

”رضا خان کے بار کے بارے میں۔“

”اس سلسلے میں کیا بات ہے۔ وہ معاملہ تو آپ سب کو معلوم ہے۔“

”ہاں! معلوم ہے، لیکن۔۔۔۔۔۔“

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت گھنٹی بجی۔

جلد ہی اکرام رضا خان، جمال امین، قدیر علی اور حمید

کوٹلی کے ساتھ اندر داخل ہوا :

”اوہو انکل۔ آپ اور اتنے بہت سے لوگوں کے ساتھ“

فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

”کیا کیا جائے۔ مجبوری ہے۔ اکرام نے بے چارگی کے

عالم میں کہا اور وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

”ان لوگوں کو کس لیے بلوایا گیا ہے؟“ نیازی صاحب نے

حیران ہو کر پوچھا۔

”ایک انتہائی اہم معاملہ درپیش ہے۔ بھاکڑا صاحب۔ اب آپ

کیا کہتے ہیں؟“

”کس سلسلے میں۔ ان زیورات کے بارے میں تو میں پہلے ہی

کڑچکا ہوں کہ نقلی جھٹے تبدیل کر دوں گا۔“

”اور شہر بھر کے باقی خریداروں کے زیورات کا کیا بنے

گا۔“

”ان کے بھی نقلی جھٹے بدل دوں گا۔“

”چلیے۔ یہ تو طے ہوا۔ اب آئیے رضا خان کے ہار کی

طرف۔ وہ ہار کہاں ہے؟“

”اس کے پاس۔ جس نے ہار اڑایا ہے۔“

”بالکل ٹھیک۔ ہار واقعی اس کے پاس ہے۔ اب اتنا بتا

دیں۔ وہ ہار کس کا تھا؟“

”رضا خان کا اور کس کا۔“

”کیوں بھئی رضا خان۔ ہار آپ کا اپنا ہے۔ دیکھیے۔ سچ سچ

کنا ہو گا۔ اگر جھوٹ بولے تو پھر گئے کام سے۔ میں اصل معاملے

کی تہ تک پہنچ گیا ہوں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ سب متعلقہ

لوگ یہاں موجود ہیں۔“

”مم۔ میں۔ میں سچ بولوں گا۔“

”شکریہ۔ وہ ہار کیا آپ کا تھا۔ آپ کا خاندانی ہار۔“

”میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ جمال امین

نے الجھن کے عالم میں کہا۔

”اور میں حیران ہوں۔ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے، میرا

اس معاملے سے کیا تعلق؟“ حمید کوٹلی نے برا سامنے بنا کر کہا۔

”تعلق نہ ہوتا تو یہاں آپ کو ہرگز نہ لایا جاتا۔“ انیسٹر جیشد

معنی نیز انداز میں مسکرائے۔

”مہربانی فرما کر واضح لفظوں میں بات کریں، آخر آپ

کنا کیا چاہتے ہیں؟“

”بہت اچھا۔ اب میں بالکل واضح لفظوں میں بات کروں

گا۔ مہر رضا خان۔ کیا وہ ہار آپ کا اپنا اور خاندانی ہار

ہے۔“

”نہج۔ جی نہیں۔ وہ ہار دراصل بھاکڑا صاحب کا ہے۔“

”کیا!!“ خان رحمان اور دوسرے بُری طرح اُچھلے۔ انہیں حیرت سے پھیل گئیں۔



چند لمحے تک کمرے میں سناٹا طاری رہا، پھر انپکڑ جمشید کی شوخ آواز گونجی:

”ہوں! یہ ہوئی نایات۔ میرا بھی یہی خیال تھا۔ تو وہ ہمارے دراصل بھاکڑا صاحب کا ہے۔ بھاکڑا صاحب نے ہمارے دیا۔ کہ اسے خاندانی ہمارے بھاکڑا خان رحمان کے ہاتھ فروخت کرنے کے لیے جاؤ۔ انہیں پہلے ہی معلوم تھا۔ خان رحمان تصدیق کے لیے انہی کو بلائیں گے؛ چنانچہ تم آئے۔ خان صاحب نے بھاکڑا صاحب کو بلایا، لیکن انہوں نے یہ کہا کہ چیک کرنے کے لیے دفتر جانا ہوگا۔ خان صاحب نے محمود، فاروق اور فرزاد کو ساتھ کر دیا، لیکن یہ تینوں ہیروں جیسی بے کار چیزوں کے لیے اپنی زندگیاں خطرے میں ڈالنے کے عادی نہیں ہیں، اس لیے انہوں نے دخل اندازی نہیں کی اور ڈرائیور صاحب نے جو کہ قدیر علی ہی تھے۔ ہمارے پستول کے زور پر حاصل کر لیا۔ یہاں تک پروگرام بھاکڑا صاحب کے منصوبے

کے مطابق تھا۔ ہوتا یہ کہ قدیر علی ہمارے بھاکڑا صاحب کو دے دیتے۔ چیزان کی ان کے پاس رہتی اور یہ رضا خان کے ذریعے خان رحمان سے اس کی قیمت بھی حاصل کر لیتے۔ اور آپس میں تقسیم کر لیتے۔ جمید کوٹلی کا کردار اس بات کا یقین دلانے کے لیے تھا کہ رضا خان کو واقعی اپنی بیٹی کی شادی کرنی ہے۔“

”جب کہ رضا خان کے گھر میں کوئی عورت یا لڑکی ہے ہی نہیں۔“ فاروق بول اٹھا۔

”اوہ۔ تو تم بھی یہ اندازہ لگا چکے ہو۔“ انپکڑ جمشید مکرانے، پھر بولے:

”بہت خوب۔ میں نے یہ کام اکرام کے ماتحتوں سے لیا۔ انہوں نے مجھے سے گھوم پھر کر لوگوں سے پوچھ گچھ کی، بہر حال منصوبہ تھا خان رحمان کو ٹھکنے کا، لیکن دراصل یہ منصوبہ انہوں نے اس لیے بنایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے گنہوں کی سزا انہیں دینا چاہتا تھا، کیوں کہ نہ یہ منصوبہ بناتے۔ نہ ان کی تمام جعل سازیوں سے پروردہ اٹھتا۔ یہ تو شہر بھر کے مجرم ہیں۔ نہ جانے کتنے لاکھ روپے کے نقلی زیورات لوگوں کو فروخت کر چکے ہیں۔ اب انہیں اس کا انجام بھگتنا ہے۔“

لیکن۔ آبا جان۔ وہ حملہ آور۔ فاروق بولا۔

”اوہ ہاں۔ حملہ آور۔ وہ تو رہ ہی گیا۔ ابھی اس کا بھی بندوبست کرنا ہے۔ خیر۔ تم فکر نہ کرو۔“ انپکڑ جمشید نے جلدی سے کہا۔

”اور وہ ہمار بھی تو اس سے حاصل کرنا ہے۔ تو کیا آبا جان، وہ ہمار بھی نقلی ہے۔“

”نہیں۔ وہ نقلی نہیں ہے، کیوں کہ بھاگڑا صاحب کو واپس مل ہی جانا تھا۔ اس صورت میں یہ ہیروں کا ہمار نقلی کیوں بھیجتے۔ لیکن ان کی بد قسمتی کہ وہ حملہ آور درمیان میں کود پڑا۔ اور ہمار ایک لے گیا۔ یہیں سے تو ان کے رنگ اڑے۔ کہ یہ کیا ہو گیا۔ دوسروں کو ٹھگتے ٹھگتے۔ یہ خود کیوں ٹھگے گئے۔ اور اسی لیے جب حملہ آور نے بھاگڑا صاحب سے رابطہ قائم کیا۔ تو یہ ہمیں اطلاع دیے بغیر خاموشی سے شمالی پہاڑیوں کی طرف چلے گئے۔ تاکہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور ہیروں کا ہمار ان کے پاس پہنچ جائے، لیکن حملہ آور انہیں پھر جل دے گیا۔ وہ وہاں پہنچا ہی نہیں۔“

یہاں تک کہ انپکڑ جمشید خاموش ہو گئے، چند منٹ کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

”تو پھر آبا جان۔ حملہ آور آخر کہاں ہے؟“

”حملہ آور۔ حملہ آور تمہارے سامنے ہے۔“ انپکڑ جمشید یک دم

بولے۔

Malik Ji

9-Aug-14

مجرم

وہ دھک سے رہ گئے۔ کمرے میں موجود سب لوگوں پر ایک نظر ڈالی اور پھر محمود نے حیران ہو کر کہا :

”ہمارے سامنے آبا جان۔ لیکن ہمارے سامنے تو آپ ہیں۔“

”تو پھر میں ہی حملہ آور ہوں گا۔“ وہ مسکرائے۔

”کیا !!!“ وہ چلا اٹھے۔

”ہاں بھئی۔“ وہ میں ہی تھا۔ اور یہ اس طرح ہوا کہ میں نے تمہارے بارے میں جب خان رحمان سے معلوم کیا تو ہیروں کے ہار کا معاملہ سامنے آیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تم لوگ اسی وقت بھاگڑا کے ساتھ ہار کی چکنگ کے لیے روانہ ہوئے ہو۔ مجھے یہ بات بہت عجیب لگی کہ ایک ماہر ترین جوہری ہیروں کو چیک کرنے کے لیے اپنے دفتر لے جائے۔ چنانچہ میں فوراً روانہ ہوا اور تم لوگوں کے پیچھے پہنچ گیا۔ تقدیر علی نے جس جگہ کار جنگل میں روکی تھیں

یاد ہو گا۔ ایک کار تیجھے سے آکر گزری تھی۔ اس میں میں ہی تھا۔ آگے جا کر میں رک گیا اور جنگل میں سے پیدل چلتا ہوا تم لوگوں کے نزدیک پہنچ گیا۔ صورت حال کا جائزہ لیا۔ تقدیر علی اس وقت ہار لے چکا تھا اور تم لوگوں کو کار سے دُور چلے جانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ مجھے اور تو کچھ نہ سوچا، ہار اڑا لینے کا پروگرام بنا لیا۔ مجھے ڈر تھا۔ کہیں تم دخل اندازی نہ کر بیٹھو، لیکن شکر ہے اللہ کا۔ تم نے ہاتھ پیر نہیں ہلائے۔ شاید اس لیے کہ معاملہ صرف ہیروں کے ایک ہار کا تھا اور تم ایسے معاملات میں زندگیاں خطرے میں ڈالنے کے عادی نہیں اور یہ اچھی بات ہے۔ بہر حال میں ہار لے اڑا، دل میں ہنس بھی رہا تھا۔ گھر جانے سے پہلے ہی اپنے ایک واقف جوہری سے ہار چیک کرایا، اس نے بتایا کہ ہار بالکل اصلی ہے اور پچاس لاکھ روپے کے قریب اس کی قیمت ہوگی۔“

”جی۔ کیا فرمایا۔ انھوں نے قیمت پچاس لاکھ روپے بتائی تھی۔“

”ہاں، لیکن یہ لوگ خان رحمان سے ایک کروڑ روپے ٹھکانا چاہتے تھے۔ اور ہار بھی اپنے پاس رکھتے۔ ہاں تو میں جوہری سے فارغ ہو کر میدھا گھر آ گیا اور اکرام کے ماتحتوں کو

بھاگڑا وغیرہ کی نگرانی پر لگا دیا ، پھر جو آدمی سامنے آتا گیا ، اس کی نگرانی شروع ہوتی رہی ۔ اور سارا معاملہ آئینے کی طرح مجھے نظر آتا رہا ۔ پھر ان لوگوں کو ہمارے کی فروخت کے لیے فون کیے ۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ بھاگڑا اعلانیہ اس ہمارے کو خریدنا پسند کرتا ہے یا چوری چھپے ۔ اس نے چوری چھپے ہمارے خریدنا پسند کیا ۔ تاکہ ہمارے اپنے پاس رکھے اور رضا خان کے ذریعے خان رحمان سے رقم حاصل کر لے ۔ رضا خان کے گھر جب تم گئے تو حمید کوٹھی کو لڑکے کے باپ کے روپ میں جہیز کی بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ تم لوگوں کو یقین آجائے کہ رضا خان واقعی مصیبت میں ہے ۔ اور رقم کی اسے اشد ضرورت ہے ، یہ تو تمہیں باتیں صرف اس معاملے کی حد تک ، دردناک پہلو یہ ہے کہ بھاگڑا پہلے بھی اسی قسم کے کام کرتا رہا ہے ۔ ہر زیور میں ایک آدھ ہیرا نقلی شامل کر دینا یا جعلی سونا تصور ابہت لگا دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کام رہا ہے ۔ اس طرح اس شخص نے شہر کے نہ جانے کتنے لوگوں کو ٹھگھا ہے ۔ گویا یہ حضرت ایک عادی مجرم ہیں ۔ پرانے کھلاڑی ہیں ۔ اور ڈاکوؤں سے بڑھ کر ہاتھ مارتے رہتے ہیں ۔ ڈاکو چھپ چھپا کر لوگوں کو لوٹتے ہیں ۔ یہ شخص ایسا مجرم ہے جو سب کے سامنے رہ کر لوٹتا ہے ۔ میرے خیال میں

تو اسے بہت سخت سزا ملنی چاہیے ۔ خیر یہ عدالت کا کام ہے ۔ اکرام ۔ ان لوگوں کو لے جاؤ اور پولیس کے حوالے کر دو ۔

” لیکن آبا جان ۔ رضا خان ، قدیر علی وغیرہ ۔ کیا مستقل طور پر اس کے ساتھی ہیں یا اسی معاملے میں ان لوگوں کو ساتھ ملا دیا گیا ہے ؟

” میرا خیال ہے ، یہ مستقل طور پر اس کے ساتھی ہیں ، اس طریقے سے بھی یہ لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں ۔ یعنی رضا خان کسی دولت مند کے پاس ہمارے کر جائے گا ۔ وہ شخص تسلی کے لیے بھاگڑا کو بلائے گا ، اب بھاگڑا اس ہمارے کی قیمت دو گنا بتا دے گا ۔ گویا ایک لاکھ روپے کی چیز کے دو لاکھ روپے رضا خان کو دلوادے گا اور بعد میں ایک لاکھ روپے تو ہمارے اس سے وصول کر لے گا ۔ بقیہ ایک لاکھ روپے میں سے ایک بڑا حصہ خود وصول کرتا ہوگا اور باقی وہ آپس میں تقسیم کرتے ہوں گے ۔ اس قسم کے فراڈ ۔ یہ لوگ سال میں دو چار آدمیوں کے ساتھ تو کر ہی لیتے ہوں گے ۔

” تو بھہ ۔ کیسے کیسے لوگ ہمارے معاشرے میں پائے جاتے ہیں ، گمن آتی ہے ۔ فرزانہ نے منہ بنایا ۔

اکرام اور اس کے ماتحتوں نے مجرموں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دیں اور انہیں لے کر چلے گئے :

”ہاں بھئی۔ کیا اب ہم بھی چلیں۔ تمہاری اتنی کا پارہ بھی چڑھا ہوا ہو گا۔“

”لیکن آبا جان۔ ہٹ پاٹ کی مہربانی سے اب انہیں بار بار کھانا تو گرم کرنا پڑتا نہیں۔“

”ہاں، لیکن اٹھا کر تو لانا پڑتا ہے۔“ انپکڑ جمشید نے مسکرا کر کہا، پھر بولے :

”نو خان رحمان۔ تم ایک کروڑ روپے کے نقصان سے بال بال بچ گئے۔ دوسرے یہ کہ آج تک بھاگڑا سے جتنے زیورات خریدے ہیں، ان سب کی چیلنگ بھی ہو گئی۔ تم بھی بھاگڑا پر مقدمہ کرنے والوں میں سے ایک ہو گے۔ سب کو جلی زیورات کی قیمت واپس ملے گی۔“

”بھئی واہ۔ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہو گی۔ وہ خوش ہو گئے۔“

وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ظہور مسمیٰ صورت لیے کھڑا نظر آیا :

”کیوں بھئی۔ تمہیں کیا ہوا؟“

”مم۔ میری بیوی کے زیورات بھی خان صاحب نے

بھاگڑا سے خریدے تھے۔“

”اوہ اچھا۔ وہ ہنس پڑے، پھر انپکڑ جمشید بولے :

”نکر نہ کرو۔ خان صاحب والے حساب میں ہی وہ زیورات بھی آجائیں گے۔“

”ایک اور بات بناب۔“

”ہاں ہاں۔ کہو۔“ انپکڑ جمشید ہمدردانہ لہجے میں بولے۔

”میں منٹ کی کان پکڑنے کی سزا کے دوران مجھے چار پانچ مرتبہ کان چھوڑ کر دروازہ کھولنے کے لیے آنا پڑا۔ اس طرح میں بیس منٹ کی بجائے چالیس منٹ میں فارغ ہو سکا۔ میرا مطالبہ ہے کہ یا تو کان پکڑنے کے دوران مجھ سے دروازہ نہ کھلایا جائے یا پھر وہ وقت سزا سے الگ نہ کیا جائے۔“

”میرا خیال ہے۔ مطالبہ جائز ہے۔ کیوں خان رحمان؟“

”مم۔ میں غور کروں گا۔“

”لیکن بھئی۔ اس میں غور کرنے والی کون سی بات ہے، منظور کر ڈالو۔“

”خیر۔ اگر تم کہتے ہو تو منظور کیے لیتا ہوں۔“ خان رحمان نے منہ بنایا اور ظہور کھل اٹھا :

”بہت بہت شکریہ بناب۔“

”کیا صرف ان لوگوں کا شکریہ ادا کرو گے۔“ خان رحمان نے جھلا کر اس کی طرف دیکھا۔

”نہیں جناب۔ س۔ سب کا۔“ وہ بوکھلا اٹھا۔
اور وہ ہنستے ہوئے باہر نکل آئے۔ گھر پہنچے، گھنٹی بجائی گئی تو بیگم جمشید نے دروازہ کھول دیا۔ انھوں نے دیکھا۔ اندر بیگم شیرازی موجود تھیں۔

”میں نے ہاٹ پاٹ میز پر رکھ دیے ہیں۔ کھانا کھا لیں۔“
”کیوں۔ کیا تم مصروف ہو؟“
”ہاں۔ میں اور بیگم شیرازی ذرا اپنے اپنے زیورات چیک کر رہی ہیں۔“
”کیا مطلب؟ وہ چونک اٹھے۔

”کیا بھاگڑا کے ہاں سے خریدے گئے زیورات میں ملاوٹ ثابت نہیں ہو گئی؟“
”ہاں ہو گئی ہے، لیکن تمیں اس قدر جلد خبر کیسے ہو گئی، یہ خبر اخبارات میں تو صبح آئے گی۔“

”میں نے آپ کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے خان صاحب کو فون کیا تھا۔ انھوں نے فون پر زیورات کے بارے میں بتا دیا۔ میں نے فوراً اطلاع بیگم شیرازی کو دی۔ اور یہ اپنے زیورات اٹھا کر یہاں لے آئیں۔ میں نے بھی اپنے زیورات

بکال لیے۔“

”لیکن ہم نے بھاگڑا سے زیورات کب خریدے تھے؟ انپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

”بیگم شیرازی کے ذریعے میں نے چند زیورات منگوائے تھے۔ آپ کو تو ایسے کاموں کی فرصت ہی نہیں ملتی۔“ انھوں نے منہ بنا کر کہا۔

”اوہ۔ اوہ۔ میں سمجھا۔ تب تو واقعی۔ ان زیورات کو بھی چیک کرانا ہو گا۔ اور ہمیں بھی ٹھگے جانے والوں میں اپنا نام لکھوانا ہو گا۔“ انھوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔
”ابھی تو کل مزا آئے گا۔ جب لوگ اخبارات میں تفصیل پڑھیں گے۔“ فزانہ بولی۔

”جیسا کوئی کرے گا۔ ویسا بھرے گا۔ جرم کرنا آسان ہے، لیکن جرم کر کے اپنے آپ کو بچانا بہت مشکل بلکہ بالکل ناممکن ہے۔“ انپکٹر جمشید بولے۔

”آپ نے کیا فرمایا آبا جان۔ ناممکن۔ لیکن ہم نے تو سنا ہے۔ کبھی کبھار کوئی مجرم سزا سے بچ جانے میں کامیاب ہو بھی جاتا ہے؟“

”ہاں! یہ ٹھیک ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر بھی اسے سزا مل کر رہتی ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت

میں بھی۔

”اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔“ فرزانہ بولی۔

”ارے ہم کھانے سے انصاف کرنا تو بھول ہی گئے۔
آئیے۔ ذرا اس سے بھی دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ بے چارہ نہ
جانے کیا سوچتا ہو گا۔“ فاروق نے جلدی جلدی ہاٹ پاٹ
کا ڈھکنا اٹھاتے ہوئے کہا۔
اور وہ مسکرا کر کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔



غریب ہیرے کا انعامی سوال

س: فاروق نے رضا خان سے چائے کی فرمائش کیوں کی تھی؟



- ۲۵۰/- روپے کا نقد انعام پانچ برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔
- انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا۔
- قرعہ اندازی موصول ہونے والے تمام درست جوابات میں کی جائے گی۔
- اپنا جواب بالکل الگ کاغذ پر لکھیں، اس کاغذ پر صرف اپنا نام اور پتا
○ لکھیں۔ اور کچھ نہ لکھیں۔
- کم از کم کاپی سائز کاغذ استعمال کریں۔
- چھوٹے کاغذ قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیے جاتے۔
- جوابات ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ تک وصول کیے جاتے ہیں۔

(ادارہ)

Malik Ji

9-Aug-14

آئندہ ناول کی ایک جھلک



محمود ، فاروق ، فرزانہ اور انپکٹر جمشید سیریز ۱۳۶

بھیانک روپ

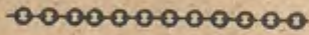
— مصنف : اشتیاق احمد —

- ایک عورت کا شوہر گم ہو گیا تھا —
- اس بار اُن کا واسطہ ایک پراسرار ہمدرد سے پڑ گیا —
- وہ ہمدرد انہیں عجیب و غریب خبریں دینے لگا —
- گئے جنگل میں ایک زبردست جھڑپ ، ہنگامہ —
- آخر یہ سب کیا تھا ، کیوں تھا ، اُنہوں نے سُمراخ کس طرح لگایا —

ایک دلچسپ ترین ناول —

قیمت : پچھ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک



محمود ، فاروق ، فرزانہ اور انپکٹر جمشید سیریز ۱۳۷

بد نصیب ہوٹل

— مصنف : اشتیاق احمد —

- ہوٹل میں تیسری واردات — سنسنی کی لہر —
 - اس وقت محمود ، فاروق اور فرزانہ مل میں ہی تھے —
 - ان کی آنکھوں کے سامنے ایک شخص گرا — اس کا سر پاش پاش ہو چکا تھا —
 - عین اسی وقت ایک شخص ہوٹل کے باہر دیوار پر ایک پوسٹر لگا رہا تھا —
 - اور یہ پوسٹر قاتل کی طرف سے تھا —
 - قاتل کا اعلان اور جی خوفناک تھا —
 - محمود ، فاروق پر کیا گزری — آپ دھک سے رو جائیں گے —
- قیمت : پچھ روپے

Malik Ji

9-Aug-14

آئندہ ناول کی ایک جھلک



آفتاب، آصف، فرحت اور انیکٹر کامران مرزا سیریز ۵۰

پرانے جراثیم

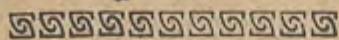
— مصنف: اشتیاق احمد —

- جنگل میں تڑاڑ ہو رہی تھی۔
- لیکن گڈریا بالکل بے فکر تھا۔
- انیکٹر کامران مرزا کو کار روکنی پڑی۔
- آفتاب، آصف اور فرحت بھی دلچسپی لینے پر مجبور ہو گئے۔

- ہولناک جراثیموں کی کہانی۔
- آپ آخر تک مجرم کو نہیں پہچان سکیں گے۔ لیکن یہ دعویٰ نہیں۔ مرن خیال ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔

قیمت: چھ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک



شوکی سیریز ۳۲

آدھا مقتول

— مصنف: اشتیاق احمد —

- ایک شخص۔ جو اپنا نام فیاض مرحوم بتاتا تھا۔
- اس کا کہنا تھا کہ اسے قتل کر دیا گیا ہے۔
- لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کا قاتل کون ہے۔
- وہ شوکی برادرز کے ذریعے اپنے قاتل تک پہنچنا چاہتا تھا۔

- پس ہر لمحے بڑھتا ہی چلا جائے گا۔
- آخر میں آپ دمک سے رہ جائیں گے۔

قیمت: چھ روپے

آئندہ ناول کے ایک جلد کے

انپکڑ ارسلان سیر نی ۲

ہر قدم پر موت

— مصنف : آفتاب احمد —

آفتاب احمد کا دوسرا ناول —

ایک سنسنی خیز مہم۔ موت ہر قدم پر منہ کھولے کھڑی تھی۔

دشمن ملک میں آپ کے یہ نئے کردار کس طرح اُترے۔

اُن کے اُترنے پر کیا واقعات پیش آئے —

مہم کیا تھی۔ آپ پر جوش کی حالت طاری ہو جائے گی۔

اس بار آفتاب احمد نے ناول نہیں، پورا ناول لکھ مارا۔

رونگے کھڑے کر دینے والے مناظر۔

قیمت : پچھروپے

س نو مہر کو پڑھے۔

جوابانی فتنہ کا انعام

[illegible]

جواب : یہ کہ ملٹری میں بھی تو جماعتِ بابانیہ کے آدمی ہیں ،
ان سے مدد کس طرح لی جاسکتی ہے —

قرعہ اندازے کے بعد درج ذیل پانچ قارئین کو پچاس روپے فی کس انعام روانہ کیا جا رہا ہے۔

(۱) شاہد اقبال ، بخاری روڈ نزد رحمانیہ مسجد ، گوجرانوالہ —

(۲) ارفع حمید کھوکھر معرفت عبد الحمید کھوکھر، حافظ آباد روڈ، گوجرانوالہ

(۳) فیروز حکیم الدین پہلی منزل الہ بخت آفندی منزل ، بالمقابل

بوتل گلی شاہراہ لیاقت کراچی ما

محمد آصف حیات معرفت رانا کیپ لاؤس صدر بازار ساہیوال

⑤ رفاقت شیخ داتا نگار بادامی باغ، مین بازار لاہور —



○ آئندہ خاص نمبر کی ایک نامکمل جھلک !

○ مکمل جھلک آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں



— مصنف : اشتیاق احمد —

○ ۵۰۰۰/- روپے کے نقد انعامات حاصل کرنے کی تیاری

ابھی سے شروع کر دیجیے —

○ ظاہر ہے ، آپ ناول خریدیں گے تو انعامی مقابلے میں

درست طور پر حصہ لے سکیں گے —

○ اور ہاں ایڈوانس بکنگ کی بھی تیاری کر لیں۔ ”جرریے کا سمندر“

کی طرح کہیں آپ ہاتھ ملتے نہ رہ جائیں۔ اور آپ کی

سرد آہوں سے گھروں کے درجہ حرارت نہ گر جائیں۔

○ تینوں پارٹیاں ایک ساتھ آرہی ہیں —

○ ان کی ملاقات کن حالات میں ہوئی۔ پڑھیے، منکرائیے،

بٹنیے اور قدم قدم پر چوکیے —

○ ادھر بین الاقوامی تین مجرم۔ ریوٹا ، شیلاک اور رول —

○ اپنے وقت کے عیار ترین دشمن۔ جن کے ذہن شیطانی تھے۔

جو جال بچھانے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے —

○ عین وقت پر صدر صاحب کی طرف سے انپیکٹر جمشید کو اطلاع

ملی۔ بیگال کا ایٹمی پلانٹ مہیا کرنے کی اجازت واپس

لی جا رہی ہے —

○ وہ دھمک سے رہ گئے ، کیوں کہ وہ تو جانے کی تیاریاں

بھی شروع کر چکے تھے —

○ پھر۔ کیا انپیکٹر جمشید نے اپنے پروگرام پر عمل کیا۔ کیا وہ

اس سفر پر روانہ ہو سکے —

○ اس بار پیش نہیں لگوائی جائیں گی۔ گوند بھی نہیں لگوائی جائے

گی۔ بلکہ سلامتی کروائی جائے گی تاکہ خاص نمبر کی جلد بندی

کی شکایت کا سامنا کرنے سے صاف بچ جاؤں —

☆ قیمت ، ضخامت اور مکمل جھلک کا آئندہ ماہ کے

ناولوں میں بے چینی سے انتظار کر سکتے ہیں ، مجھے

کوئی اعتراض نہیں —



مشہور محرم صفت اشتیاق احمد
کے شاعری، نثر، ہنگامہ آرا مزاج اور جاموشی
سے جہانور ناول —

اس ماہ کے ناول

- | | | |
|------------|-----------------------|----------|
| فہم ۱۱ وی | (انیسویں جلد میرزا) | ۹/- روپے |
| قرب میرزا | (-) | ۹/- |
| پیشانی بیچ | (انیسویں جلد میرزا) | ۹/- |
| بھینس موت | (شوکی میرزا) | ۹/- |
| نولی بھل | (متروقی سلسلہ) | ۹/- |

آئندہ ماہ کے ناول

- | | | |
|---------------|-----------------------|----------|
| بیانک روپ | (انیسویں جلد میرزا) | ۹/- روپے |
| بد نصیب چوکی | (-) | ۹/- |
| پرانے جواہر | (انیسویں جلد میرزا) | ۹/- |
| آدھا مشعل | (شوکی میرزا) | ۹/- |
| ہر قدم پر موت | (انیسویں جلد میرزا) | ۹/- |

اشتیاق احمد کی شاعری
راہچوت مارکیٹ لاہور
اردو بازار